1958
Mahmood
المنار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وممن خلقنا امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون ۰

(قرآن کریم سورۃ اعراف)

روشنی اور رفعت کا نشان

المنار

تعلیم الاسلام کالج ربوہ

جلد	مارچ، اپریل ۱۹۵۸ء	شمارہ نمبر ۵-۶

نگران

پروفیسر محبوب عالم خالد

ایم۔ اے

مدیر اعلیٰ

ناصر احمد پرویز

معاون مدیر

لطف الرحمن محمود

لطیف احمد قریشی

پبلشر: اے۔ آر جنید ہاشمی — مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

فہرست مضامین

عناوین	مضمون نگار	نمبر صفحہ
اداریہ	.. ..	۳
جائزے	.. ..	۵
کیا اسلام بزور شمشیر پھیلا ؟	پروفیسر ڈاکٹر ڈ وگلیری	۷
تیری تسخیر کا حلقہ زمین و آسمان تک ہے	پروفیسر خان نعیم احمد خان	۱۰
ظاہر اور باطن	پروفیسر بشارت الرحمٰن	۱۱
"جو یاد دلخراش بھی ہے دل نواز بھی"	لطف الرحمٰن محمود	۱۴
فریب ہائے مسلسل	تخلیق منصوری	۲۶
عقیدت کا نفسیاتی تجزیہ	لطیف قریشی	۲۸
"یہ بھلا دنیا میں انوکھی تو کوئی بات نہیں"	کلیم اللہ کوثر	۲۹
سائنسدان !	حفاظت احمد	۳۲
مجھ کو ہے وجہ اضطراب تیری گرانیٔ نظر	لام ۔ میم	۳۵
تلخی بہ شیریں	امان اللہ قریشی	۳۸
بہار کی تلاش	محمد اسلم صابر	۴۰

اداریہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی جلوہ نمائی کے لئے عالم آب و گل کی تخلیق کی۔ نباتات، جمادات، حیوانات اور انسانوں کو پیدا کیا۔ مگر انسان کو اس کی شعوری قوتوں ــــ جسمانی طاقتوں اور روحانی فضیلتوں کی وجہ سے اشرف المخلوقات قرار دیا ــــ

ہر وہ انسان جو اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لاتا ایک لحاظ سے کفرانِ نعمت کا مرتکب ہے۔ معاشرہ میں ہر شخص اپنے مخصوص دائرہ میں اپنی اپنی جگہ مصروفِ عمل ہے۔ اپنے متعلقہ فرائض کو سرانجام دینا ہمارا اوّلین فرض ہے۔ ایک آزاد قوم کے زندہ افراد ہونے کی حیثیت سے ہم میں اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی کا احساس موجود ہونا چاہیئے ــــ

اگر اپنے متعلقہ فرائض کو احسن طریقے سے سرانجام دینے کا احساس ہم میں موجود ہوگا تو یقیناً ہمیں نتائج کا فکر دامنگیر ہوگا اور اس طرح ہم اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے خاص احتیاط سے کام لینے پر مجبور ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر ہمیں اپنے فرائض منصبی کا احساس نہ ہوگا تو ہم نتائج سے لاپرواہ ہوکر اپنے مقاصد میں بری طرح ناکام ہوجائیں گے ــــ احساسِ ذمہ داری کی ضرورت صرف انفرادی حدود تک ہی محسوس نہیں کی گئی، بلکہ تاریخ عالم کے اوراق پر مختلف قوموں کے عروج و زوال کی بکھری ہوئی خونچکاں داستانیں پکار پکار کر احساس کی ضرورت کا پرچار کر رہی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جو قومیں احساسِ فرض کی دولت سے مالامال تھیں وہ عروج کے اُفق پر آب و تاب سے اُبھریں ــــ اس کے برعکس جو قومیں تیغ و سناں چھوڑ کر اپنے فرائض منصبی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے چنگ و رباب کی نشیلی تانوں میں گم ہوگئیں چرخ نے اُن کے عروج کے پرچموں کو تار تار کر دیا ــــ وقت نے اپنے آہنی ہاتھوں سے اُن کے خونیں کفن سیئے۔ وہ عرشِ کمال سے فرشِ زوال پر آرہے اور آنے والوں کے لئے سبق چھوڑ گئے ع

کہ ہلاکی اُمم ہے یہ طریقِ نَے نوازی

یہ تو فرائضِ منصبی کو سرانجام دینے کے لئے احساس کی ضرورت کا تذکرہ تھا ــــ بسا اوقات

قومیں اور اُن کے افراد احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اُن کی حالت زیادہ قابلِ رحم ہوا کرتی ہے۔ ہمارے سامنے ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں جو ماہرینِ نفسیات کے اس زرّین اصول کی تائید کرتی ہیں کہ احساسِ کمتری اچھے بھلے کارندہ کو اس حد تک ناکارہ کر دیتا ہے کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور فطری استعدادوں کو بھی بروئے کار نہیں لا سکتا۔ اگر کوئی قوم بدقسمتی سے احساسِ کمتری کا شکار ہو جائے تو اُسے ناکامی سے ہمکنار کرنے کے لئے کسی خاص کاوش کی ضرورت نہیں۔ تاریخ کا دامن دراز اس قسم کی متعدد رُوح فرسا داستانوں سے داغدار ہے۔ کہ احساسِ کمتری کی وجہ سے قوموں کے عروج کا ستارہ کس طرح ٹوٹ کر گمنامی و ناکامی کے عمیق و تاریک غاروں میں ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔!

اُوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا واحد مقصد یہ ہے کہ طلبہ کو توجہ دلائی جائے کہ وہ اِن نصیحت خیز اور عبرتناک حقائق کو مدِ نظر رکھ کر اپنے فرائضِ منصبی کو تندہی اور دیانتداری سے سرانجام دینے کی کوشش کریں۔ تا وہ عملی زندگی میں داخل ہونے سے پہلے اپنے آپ کو کارزارِ زندگی سے نبرد آزما ہونے کے لئے پوری طرح تیار کر سکیں۔

(لام۔میم)

جائزے

○

المنار کا تازہ شمارہ اِس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کی ہے کہ اِس گلدستہ کو رنگا رنگ کے پھولوں سے سجایا جائے ـــــ ہم اپنے چند کرمفرماؤں اور اُن کی تخلیقات سے آپ کو متعارف کراتے ہیں ـــــ

"تلخابۂ شیریں" ـــــ المنار کی زبانِ حال سے درد میں ڈوبی ہوئی ایک پکار ہے جسے امان اللہ قریشی نے اپنے مؤثر الفاظ کے جامے میں پیش کیا ہے۔ قریشی صاحب ہمارے پرانے کرم فرما ہیں اور کالج کے "ابن بطوطہ" ـــــ آپ کا فرض ہے کہ اِن سطروں پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔ کہ ع

یہ مقامِ گریہ ہے یا کہ ہنگامِ مسرت!

"یہ بھی دُنیا میں انوکھی تو کوئی بات نہیں" ـــــ کرشن کی دلچسپ زندگی کا ایک دلچسپ ورق ہے۔ تصورِ شاعر کا، خواب ـــــ مجذوب کی بڑ اور کرشن کی گپ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ مگر ان گپ، ان کے طرزِ نگارش اور اندازِ بیان کی وجہ سے ممتاز ہو جاتی ہے ـــــ ذرا پڑھئے ـــــ اسلوبِ بیان کی چاشنی آپ فوراً محسوس کرینگے!

"سائنسدان" ـــــ مضمون نگار کی سرگزشت ہے ـــــ آئن سٹائن اور نیوٹن بننے والے سائنسدان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا دیکھئے کس تیکھے انداز سے سائنس داں بننے کی خواہش مسرت آفرین قہقہوں کی حرارت بن کر لب پر آگئی ہے ـــــ

"بہار کی تلاش" ـــــ اسلم صاحب نے نہایت تیکھے اور دلنشین انداز سے ایک حقیقت کو واشگاف کیا ہے ـــــ تخلیہ میں کبھی اِس وسیع موضوع کے متعلق غور و فکر کیجئے! آپ اپنے تئیں ایک دلچسپ معروفیت میں مشغول پائیں گے ـــــ پُرانے کرمفرماؤں سے توقع ہے۔ کہ وہ ادب پروری کی اِس نیک روش کو جاری و ساری رکھیں گے۔ نئے لکھنے والوں کے لئے ہم دعا کرتے ہیں کہ ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

○

یہ ظلم اور خود غرضی ہوگی کہ شائع شدہ ادب پاروں پر تبصرہ کیا جائے مگر ان نگارشات کو نظر انداز کر دیا جائے جن کی اشاعت سے جریدہ فریدہ محروم رہا

ہے —— ان کے تذکرۂ جمیل سے ٹوکری کی رگ
پھڑکے گی۔ کیونکہ وہ تو اس کی پسندیدہ خوراک ہیں
—— مگر اس طرح ہمارے کرم فرماؤں کی ایک
دیرینہ خواہش پوری ہو جائے گی —— حصۂ نظم کا
ایک نادر نمونہ درج کرتے ہیں —— ایک شاعر ہیں
جن کا خیال ہے کہ میرؔ۔ مومنؔ۔ غالبؔ۔ شیفتہؔ۔ آتشؔ۔
داغؔ وغیرہ کی روحیں ان میں حلول کر آئی ہیں ——
ہماری درخواست پر حاتم کی قبر پر انہوں نے کمال
شفقت سے لات ماری ہے —— غزل مرحمت
کرتے وقت تاکید فرمائی کہ "ضرور زینتِ رسالہ رہے"
—— ہمیں افسوس ہے کہ یہ غزل ہمارے معیار
سے بہت بلند و بالا ہے —— ہمارا رسالہ اس
قابل ہی نہیں کہ اس بلند پایہ غزل کو شائع کرنے کی
گستاخانہ جسارت کر سکے۔ تبرکاً تین اشعار "زینتِ
رسالہ" ہیں۔ آپ اندازہ فرمائیں یہ غزل "تبرک" ہے
یا کہ صرف "تبرا" —— ؎

ابھی تو منزل ہی نہیں کوئی ہے
معلوم کیا لگ جائے کاروانِ حیات
رات کے اندھیرے میں آہیں لیتے ہیں
سوئی ہوئی ہے جب ساری کائنات
رہ رہ اک درد اٹھتا ہے سینے میں
غم بھی لگائے بیٹھا ہے ہمیں پر گھات!

اسی طرح آسمانِ شاعری کے متعدد درخشندہ
ستاروں کی نورپاش کرنوں نے اگرچہ ہمارے دل و
دماغ کو منور کیا ہے مگر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں ——

آپ خدا لگتی کہیں کہ ایسے ناساعد حالات میں میگزین
کا حجم کس طرح بڑھا سکتے ہیں —— اس مثال کے
درج کرنے سے ہمارا مقصد کسی قسم کی تضحیک نہیں بلکہ
ہم دردِ دل سے دعا کرتے ہیں کہ ایسے شعرا پیدا ہوتے
رہیں جن کے دم سے یاوہ گوئی بامِ عروج پر جا پہنچتی ہے
سچی بات ہے ہمارے اس کالم کی رونق افزائی انہیں
کے دم قدم سے ہے —— ذرا سوچئے کہ ؏

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے!

○

کالج یونین تقریری مقابلے تو کروایا ہی کرتی تھی
مگر اس دفعہ تحریری مقابلوں کا بھی اہتمام ہوا ہے۔
اس مستحسن اقدام پر ہم یونین کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔
یہ ایک مفید اور منفعت بخش روش ہے۔ کئی طلبہ ایسے
ہیں جو پلیٹ فارم پر آ کر اپنے خیالات کا اظہار کرنے میں
حجاب محسوس کرتے ہیں مگر قدرت نے انہیں سلیقۂ قرطاس
پر موتی بکھیرنے کی قوت بخشی ہے —— دعا ہے
کہ یہ نیک روش جاری رہے۔ ؏

ایں دعا از من و از خلقِ خدا آمین باد!

○

طلبہ میں علمی مذاق پیدا کرنے کے لئے المنار میں
ایک خاص کالم "نظر اپنی اپنی...." مخصوص کیا جا چکا
ہے۔ جس میں طلبہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں ——
ملک کے متعدد مقتدر اخبارات و جرائد کے مدیروں
کی گرانقدر آرا ~~بھی شریکِ اشاعت ہیں~~ جنہیں ہم نے
آپ کے ذوق و شوق کو مدِنظر رکھتے ہوئے حاصل کیا ہے۔
(باقی صفحہ ۹ پر)

پروفیسر ڈاکٹر وگلیری

"کیا اسلام بزورِ شمشیر پھیلا؟"

اطالوی عیسائی مستشرق پروفیسر ڈاکٹر وگلیری نیپلز یونیورسٹی میں عربی کی پروفیسر ہیں۔ آپ کی تصنیف "AN INTERPRETATION OF ISLAM" میں سے ایک اقتباس درج ذیل ہے۔ اصل کتاب اطالوی زبان میں ہے۔ ڈاکٹر آلڈو کیسیلی نے اسے اطالوی زبان سے انگریزی زبان میں اور شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ فاضل مصنفہ نے اسلام کا قریب سے مطالعہ کیا ہے اور اس کے نتیجہ میں ان الزامات کو غلط قرار دیا ہے جو اس سلسلہ میں اسلام پر اکثر عائد کئے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

"آئیے ہم اسلام پر جبر و تشدد کے الزام پر نظر ڈالیں۔ اگر اس الزام سے یہ مراد ہے کہ دوسرے بانیانِ مذاہب کے برعکس محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار چلائی، فوج کشی کی۔ تاکہ مزید کامیابیاں اور فتوحات حاصل ہوں۔ اور آپ کے ماننے والوں نے بھی آپ کی پیروی کی تو ہمیں کہنا چاہیئے۔ کہ یہ درست ہے۔ لیکن ہمیں چاہیئے کہ خالی الذہن ہو کر یہ بھی معلوم کریں کہ اس کے اسباب کیا تھے۔ لیکن اگر اس الزام کا منشاء یہ ہے۔ کہ مذہب کو جبراً منوانے کی خاطر ایک تباہ کن جنگ لازمی سمجھی گئی۔ اور اسلام کی فطرت میں یہ بات داخل تھی کہ غیروں پر اپنا تسلط جمائے تو ہم اس الزام کو رد کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ قرآن کریم کی تعلیم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار دونوں گواہی دیتے ہیں۔ کہ یہ الزام سراسر جھوٹا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الہامات اور آسمانی کشوف اہلِ مکہ کے سامنے بیان کرتے تھے۔ جن میں یہ تعلیم ہوتی تھی کہ مظالم کو صبر سے برداشت کرنا چاہیئے۔ مگر قریش کو اس کا یقین نہ آتا تھا۔ پھر جب آپ نے مکہ سے ہجرت کرنے کا تلخ فیصلہ کر لیا تو آپ کو ایک سیاسی کشمکش کا مرکز بننا پڑا۔ اس وقت آپ کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ کہ یا تو ذلت کی موت مر جائیں (اور یہ خدا کو منظور نہ تھا) یا یہ کہ اپنی ذات اور اپنی قلیل جماعت کو تباہی سے بچانے کے لئے جنگ کریں۔ اس مقابلہ میں ایک طرف تھے غیر مہذب

فساد انگیز اور مادہ پرست کفار جن کے ساتھ تہذیب یافتہ لیکن پرلے درجے کے متعصب تفرقہ انداز اور افترا انگیز یہودی بھی شامل تھے۔ اور دوسری طرف تھا مذہبی و معاشرتی اصلاح کا نصب العین اور طرفین میں مقابلہ آپڑا تھا۔

یہ وہ نصب العین تھا جس کو حاصل کرنے کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر قربانی دینے کے لئے تیار تھے۔ آپ نے جنگ کی لیکن یہ ایسی جنگ تھی جس میں ایک فریق پیکرِ صبر تھا اور دوسرا فریق پیکرِ تکبر۔ یا یہ ایسی جنگ تھی جس میں ایک شخص لڑنا نہ چاہتا ہو مگر مجبوراً اُسے ایسے دشمنوں کے خلاف لڑنا پڑے جو طاقت کے بل بوتے پر اُسے نیست و نابود کرنے پر تُلے ہوئے ہوں۔ تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ آپ نے لڑائی کی لیکن آپ کو یقین تھا کہ آپ بہت سے نفوس تک صداقت کو پہنچانے کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔ اور آپ کا فرض ہے کہ تاریکی کے اندر لوگوں کو صحیح راستہ دکھائیں۔

مدینہ کے یہودی ایک مالدار اور خوشحال طبقہ کے لوگ تھے۔ آپ نے مدینہ پہنچ کر ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور انہیں دعوت دی کہ سیاسی اور معاشرتی امور میں وہ آپ کے ساتھ سچا تعاون کریں۔ لیکن جب ثابت ہو گیا کہ یہود آپ کے جانی دشمن ہیں۔ اور جھوٹ اور غداری کے راستے پر چلنے کے لئے مُصر۔ تو آپ مجبور تھے کہ لڑ کر انہیں کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔ اُس زمانہ میں بیرونی دشمنوں سے لازماً لڑنا پڑتا تھا۔ کوئی بادیہ نشین عرب مستقل امن کا خوگر نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ لڑائی کرنا قرن ہا قرن سے عرب کا دستور و معمول بن چکا تھا۔ پس اندرونی محاربات سے نپٹتے ہی آپ کو قریش اور غیر معاہد قبائل کی مخالفت سے سابقہ پڑا۔ جنگی خطرات اور فوجی فتوحات نئی جماعت کو متحد کرنے کا ذریعہ بھی بن گئے۔ آپ کے ساتھی جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے ان کی بقا کا ضروری سامان بھی اسی طرح پیدا ہوا۔ بدویوں کی افتادِ طبع کو بھی جنگ راس آئی۔ ایک ہولناک ماحول تھا جو خطرات سے پُر دلیرانہ اقدام کا طالب اور جانبازی کو دعوت دینے والا تھا۔ ایسے حالات میں جنگ ہی ایک ذریعہ تھا جو جان کی حفاظت اور پیغمبر علیہ السلام کی بعثت کی غرض کو پورا کر سکتا تھا۔ پیغمبر اسلام کی تمام جنگیں سچے مذہب کو بچانے اور برقرار رکھنے کی غرض سے تھیں۔ یہ جنگیں مقصود بالذات نہ تھیں اور بہرحال مدافعانہ تھیں نہ کہ جارحانہ۔ قرآن شریف صاف فرماتا ہے:-

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یُقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین ۝

اور اللہ کے راستہ میں لڑو اُن سے جو تمہارے خلاف لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہ کرو۔ یقیناً اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

(بقرہ ۱۹۰)

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ
فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ
انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى
الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور لڑو اُن سے یہاں تک کہ فتنہ
باقی نہ رہے اور مذہب کا اظہار خدا ہی
کی خاطر ہو سکے۔ لیکن اگر وہ باز آجائیں
تو یاد رکھو سوائے ظالموں کے کسی پر
سختی کی اجازت نہیں۔" (بقرہ: ۱۹۴)

اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں پر غور کریں یا مسلمانوں کی ابتدائی فتوحات کو دیکھیں تو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ الزام کہ اسلام بزورِ شمشیر منوایا گیا اور اس کا سرعت سے پھیل جانا تلوار کی وجہ سے تھا سراسر لغو اور بیہودہ ہے۔ قرآن فرماتا ہے:-

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ
الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ
بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى
لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ۝

مذہب میں جبر جائز نہیں۔ یقیناً حق و
باطل میں امتیاز ہو چکا ہے۔ پس جو
شخص بغاوت کی راہوں کو چھوڑ دے
اور اللہ پر ایمان لائے اس نے ایک
مضبوط دستے کو پکڑ لیا جو ٹوٹ
نہیں سکتا۔ اور اللہ سُننے اور جاننے
والا ہے۔" (بقرہ: ۲۵۷)

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ
شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ
فَلْيَكْفُرْ۔

اور تو کہہ دے کہ یہ حق ہے تمہارے
رب کی طرف سے۔ پس جو چاہے ایمان
لائے اور جو چاہے انکار کرے۔"
(کہف: ۳۰)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان خدائی احکام کی پیروی کرتے تھے۔ اور سب مذاہب کے ساتھ عموماً اور توحید پرست مذاہب کے ساتھ خصوصاً بہت رواداری برتتے تھے۔ آپ کفار کے مقابل پر صبر اختیار کرتے تھے۔ اور دلی یقین کے ساتھ منتظر تھے کہ ایک وقت آئے گا جب آپ کا کام تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ اور لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔" (ص ۱۳ تا ۱۴)

"جائزے"

(بقیہ صفحہ ۶)

یہ آراء اگلے شمارے میں پیش کی جائیں گی۔"

○

اگلے شمارے کے لئے آپ کی نگارشات کا
انتظار رہے گا ——

(ادارہ)

پروفیسر خان نصیر احمد خان
ایم۔ ایس سی

"مری تسخیر کا حلقہ زمین و آسماں تک ہے"

رسائی فکرِ انساں کی درِ رازِ نہاں تک ہے
یہ وہ شعلہ ہے لَو جس کی حریمِ لامکاں تک ہے
زمیں میری ہے مہر و ماہ میرے کہکشاں میری
مری تسخیر کا حلقہ زمین و آسماں تک ہے
پرِ جبریل بھی جلتے ہیں راہِ شوق میں جس کی
مقامِ بندگی اُس سدرۂ عالی نشاں تک ہے
یہ میرا دل ہے جس میں حُسنِ جاناں مسکرایا تھا
لپک برقِ تجلّی کی فقط اِس آشیاں تک ہے
نصیر آیا ہے تیرے کام آڑے میں کوئی اب تک؟
عیاں ہے دوستوں کا دعویٔ الفت زباں تک ہے

پروفیسر بشارت الرحمٰن
ایم - اے

ظاہر اور باطن

ہر چیز کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر چیز کے دو حصے بنائے ہیں۔ ایک ظاہر اور ایک باطن۔ دوسرے لفظوں میں ایک قشر یعنی ظاہری چھلکا اور ایک مغز یعنی اندرونی خلاصہ۔ کوئی مغز بغیر قشر کے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح کوئی قشر بغیر مغز کے وہ فائدہ نہیں دے سکتا جو اس سے مقصود ہوتا ہے۔ پس ہر امر اور ہر چیز میں قشر اور مغز یا دوسرے لفظوں میں ظاہر اور باطن لازم و ملزوم ہیں۔

بادام کا ظاہری چھلکا اس کے اندرونی مغز کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کا اندرونی مغز ایک رنگ میں پھر ایک قشر ہے یعنی اس کے اندر ایک اور لطیف مغز مخفی ہے یعنی اس کا روغن۔ اس کا روغن پھر ایک رنگ میں اس کا قشر ہے اور اس کے اندر ایک اور لطیف تر مغز مخفی ہے یعنی اس روغن کا لطیف جوہر جو ہمارے قویٰ اور اعصاب کو طاقت دیتا ہے۔ اور دراصل بادام کا یہی مقصود جوہر ہے۔ وہ شخص جو بادام کے اس جوہر سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور صرف چھلکوں کے حصول کے بعد یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ بادام کے فوائد سے متمتع ہو گیا ہے۔ وہ ایک بے وقوف انسان ہے۔

شرعی احکام کا ظاہر اور باطن

یہی حال شریعت کے احکام کا ہے۔ شریعت کے ظاہری احکام سب کے سب اپنے اندر ایک مغز یعنی باطن رکھتے ہیں اور ان سے مقصود بالذات دراصل ان کا یہی باطن ہوتا ہے۔ شریعت کے ظاہری احکام کا مغز تقویٰ ہے۔ جو ایک باطنی رُوح ہے۔ جو ظاہری اعمال کے اندر کام کر رہی ہوتی ہے۔ اعمال اسی صورت میں قابل قبول ہوتے ہیں جبکہ تقویٰ کی رُوح اُن کے اندر موجود ہو۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے :-

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا
دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ
التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۔ كَذٰلِكَ
سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ

عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(سورہ حج رکوع ۵)

یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور ان قربانیوں کے گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچیں گے۔ بلکہ تمہاری تقویٰ کی رُوح جس کے ماتحت یہ قربانیاں کی جاتی ہیں خدا تعالےٰ کے حضور پیش ہوگی۔ اور اسی لئے ہم نے ان قربانیوں کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے۔ (کہ تم یہ سبق سیکھو کہ ہر دنی چیز اعلیٰ چیز پر قربان ہو کر اور اس کی راہ میں ایک موت قبول کر کے ہی اپنے ارتقاء کی بالا کڑی تک پہنچتی ہے) تاکہ تم ان ہدایات اور احکام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا احساس اپنے دلوں میں پیدا کرو اور اس کا اعلان کرو (اور تمہیں بھی یہ احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک موت اور قربانی پیش کر کے ہی تم اپنی زندگی کے حقیقی مقصد کو حاصل کر سکتے ہو۔) اور اے رسول تو ان لوگوں کو نیکیات اور انعامات کی خوشخبری دے جو اپنے اعمال میں حقیقی اور باطنی حسن پیدا کر لیتے ہیں (کیونکہ ایسے اعمال ہی دراصل جنت حاصل کرتے ہیں)

اب میں چند مثالیں دے کر واضح کرتا ہوں کہ شریعت کے احکام میں ظاہر و باطن لازم و ملزوم ہیں۔ اور ان احکام سے حقیقی مقصود ان کا باطنی حصہ ہی ہے یعنی ظاہر کو بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ جیسا کہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے کوئی مغز بغیر ظاہری چھلکے کے اور کوئی رُوح بغیر جسم کے قائم نہیں رہ سکتی۔

ارکانِ نماز کی حقیقت

سب سے پہلے میں نماز کے احکام کو ہی لیتا ہوں نماز کے ظاہری ارکان و حقیقت تصویری زبان میں بعض باطنی حقائق کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اور ان باطنی حقائق کا حصول ہی اصل مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً نماز شروع کرتے وقت ہم اپنے ہاتھوں کو کانوں تک لے جاتے ہیں گویا تصویری زبان میں یہ اقرار کرتے ہیں کہ اے خدا ہم تیری رضاء کے لئے تمام بُری باتوں کو ترک کرتے ہیں۔ اور اُن کے ارتکاب سے کان کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ جب کسی کام سے اجتناب کرنے کے عزم کا اظہار مقصود ہو تو کان کو ہاتھ لگایا جاتا ہے۔

اسی طرح ہم نماز میں رکوع کرتے ہیں۔ تو تصویری زبان میں اس امر کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ ہم خدا تعالیٰ کے احکام کے آگے سر جھکاتے ہیں ایک شخص اگر ظاہری رکوع تو کرتا ہے یعنی نماز کی حالت میں اپنے سر کو جھکاتا ہے لیکن عام حالات میں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کرتا ہے اور بجائے اس کے کہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم میں وہ اپنی گردن جھکائے۔ اس کی گردن اکڑی کی اکڑی رہتی ہے تو ایسا شخص یقیناً اپنے ظاہری رکوع کی تکذیب کرتا ہے۔ اور نماز کی حقیقت سے غافل ہے۔

اسی طرح ہم نماز میں سجدہ کرتے ہیں اپنا

سر اپنا چہرہ یعنی اپنے جسم کا سب سے معزز حصہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کو طلب کرتے ہوئے مٹی پر رکھ دیتے ہیں گویا انتہائی تذلل کا اظہار کرتے ہیں۔ اور تصویری زبان میں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی عزیز سے عزیز چیز اور اپنی عزت و آبرو تک کو بھی خاک میں ملانے کے لئے تیار ہیں ؎

جو خاک میں ملے اسے ملتا ہے آستاں
اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

(مسیح موعودؑ)

حدیث نبوی میں نماز کے اندر سجدہ کی حالت کو قرب الٰہی کی اعلیٰ ترین حالت بتایا گیا ہے یعنے جس وقت بندہ اپنے رب کے حضور انتہائی تذلل کا اظہار کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی غیرت اور رحمت جوش میں آتی ہیں اور اپنے دامن میں بندہ کو چھپا لیتی ہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (سورۃ علق)

یعنی (اے مخاطب) سجدہ کر اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جا۔ پس حقیقی طور پر سجدہ کرنے والا اُسی شخص کو قرار دیا جا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر اپنی عزیز ترین چیز اور اپنی عزت و آبرو تک کو بھی خاک میں ملانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

پس رکوع اور سجدہ تو ظاہری قشر ہیں۔ اُن سے اصل مقصود و مطلوب وہ باطنی رُوح ہے جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے جو لوگ اس باطنی حقیقت کے حصول سے غافل رہتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:۔

"وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ"

(سورۃ الماعون)

یعنی ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں کی اصل حقیقت سے غفلت اختیار کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا طریق سے اسلام کے ہر ظاہری حکم کے اندر ایک باطنی رُوح معلوم کی جا سکتی ہے۔ اور اسی باطنی رُوح کا حصول ہمارا اصل مقصود ہوتا ہے اور اگر اس باطنی رُوح کو حاصل نہ کیا جائے تو وہ عمل لغو اور بے فائدہ ہو جاتا ہے۔

انہی معنوں میں در حقیقت انجیل میں شریعت کو "لعنت" کہا گیا ہے۔ اگر اس کا کوئی جائز اور درست مطلب نکالا جا سکتا ہے۔ تو صرف یہی کہ شریعت کے احکام کو محض ظاہر تک محدود رکھنا اور ان کی باطنی حقیقت سے غافل رہنا لعنت کا موجب بنتا ہے۔ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ یہود نے شریعت موسوی کے صرف ظاہری قشر کو پکڑا ہوا تھا باطنی رُوح ان میں سے نکل گئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بڑا مشن یہی تھا کہ اس قوم کے

(باقی ص۲۵ پر)

لام۔میم

"جو یادِ دلخراش بھی ہے دل نواز بھی"

حال ہی میں مجلس عمومی کے زیر اہتمام ہمارے کالج کے بین الکلیاتی مباحثے اپنی روایتی شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوئے۔ ہمیں بھی ان تقریبات میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ مگر ہمیں کیا خبر تھی۔ کہ یہ سعادت "زحمت" بن جائے گی فرمائش کی گئی ہے کہ ان جیسی تقریبات کا آنکھوں دیکھا حال قلمبند کیا جائے آپ جانتے ہیں کہ ؏

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں

مگر ہمارا خیال ہے کہ جو کچھ لب پہ بھی آجاتا ہے وہ بھی بسا اوقات نوکِ قلم پر رقصاں نہیں ہو سکتا ــــ ان تقریبات کا مکمل حال گویا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اور مقررین اور حاضرین کی حرکات و سکنات پر "آزاد تبصرہ" تو گویا دل گردے کیا جگر پھیپھڑے کا کام ہے ــــ مگر خیر!

یہ مباحثے ۹ اور ۱۰ فروری کو کالج کے نئے اور وسیع و عریض ہال میں منعقد ہوئے۔ اس عظیم الشان ہال کا اندرونی حصہ تو مکمل تھا مگر بیرونی حصہ ہنوز تشنۂ تکمیل تھا۔ جیسے ان کی تیزی اور پھرتی کے ساتھ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا گیا ہے۔ وہ قابلِ داد ہے ہال میں نشستوں کا خاص انتظام کیا گیا تھا۔ خواتین کے لئے گیلریوں میں جگہ مخصوص کی گئی تھی ــــ سارے ہال کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ جن کی تیز نور پاش کرنوں سے سارا ہال بقعۂ نور بنا ہوا تھا ــــ جا بجا ننھے ننھے پھولوں کے خوشنما گملے رکھے گئے تھے جس سے ہال کا حسن دوبالا ہو گیا ــــ اسٹیج بھی سجایا گیا تھا ــــ مسند صدارت ڈائس اور دیگر لوازمات عجیب نظارہ پیش کر رہے تھے ــــ مجموعی طور پر ہال کا نظارہ قابلِ دید تھا ــــ یہ تو رہا وہ ہے ــــ یعنی علماء و فضلاء کی بستی ــــ کچھ تو واقعی خورلونے تھے ہی مگر کئی نادر وجود بطور تبرک ایسے بھی تھے جو محض رنگ پکڑنے کے لئے ہی آگھسے تھے ــــ علم پرور کے جنونوں سے سرشار سروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہال کی چمکتی ہوئی دیواروں سے ٹکرا رہا تھا ــــ یہ اور بات ہے کہ اس سمندر میں کئی "گلیشیرز"۔۔۔ بھی بہتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے ــــ (جنہیں ہم نے "گلیشیرز" لکھا ہے محترم پرنسپل صاحب نے انہیں "بے ذوق" اور "بدذوق" کے خطابات سے نوازا) مختصر یہ کہ ہر قسم کے انسانوں سے ہال بھرا ہوا تھا ــــ مقررین بھی تشریف فرما تھے۔ امید تقاریر طنطنہ خیز الفاظ

اور ثقیل محاورات کی شکل میں ان کے دماغوں میں مقید تھیں ـــ مگر حاضرین ہیں کہ عالم اشتیاق میں ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں!

حاضرین کی "خدمت" کے لئے "Stewards" کو مامور کیا گیا تھا ـــ اس معاملے میں ہمیں چند تلخ باتیں بھی کہنی ہیں Stewards لاریب ہمارے دلی "شکریہ" کے مستحق ہیں ـــ مگر اللہ بخشے ہمایوں کو جس نے نظام سقّہ کو ایک دن کی بادشاہی بخشنے کی غلط رسم کی بنیاد ڈالی تھی ـــ واضح ہو کہ نظام صاحب نے چمڑے کے سکّے چلا دئے تھے! یہاں بھی کئی احباب تو بچ بچ ایسے تھے کہ سمجھنے لگے کہ شاید ہفت اقلیم کی شہنشاہیت اور قارون کے مستور خزانوں کی کنجیاں انہیں خیر سے دستیاب ہو گئی ہیں ـــ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کا بس چلے تو زبان گدی سے باہر کھینچ لیں ـــ آپ ہماری ہی سرگزشت سنیئے ـــ ہم اس دیس میں بستے تھے ـــ صاحب جانتے تھے کہ اصحاب کہف کی غاروں سے تو اٹھ کر نہیں آئے ـــ بھیس بھی وہی تھا ـــ مگر ہمیں ـــ اجنبی مسافر یا مکار سمگلر کے پاسپورٹ کی طرح اپنا Identity Card دکھانا پڑا ـــ ہال کے اندر جا کر جو بیتی وہ اور بھی زہرہ گداز ہے! ـــ ہم وقت مقررہ سے آدھ گھنٹہ قبل مسٹر لطیف قریشی کی معیت میں ایک سیٹ پر جھجکتے ہوئے بیٹھ گئے ـــ بیٹھے کیا گویا عذاب مول لے لیا ـــ "آ بیل مجھے مار" ـــ والا معاملہ ہوا ـــ ہم بھیگی بلی بنے بیٹھے تھے کہ ایک صاحب آئے اور فرمایا ـــ "یہ جگہ معزز مہمانوں کے لئے مخصوص ہے" ـــ ہم نہایت گرم جوشی سے اٹھے ـــ اور کہتے ہوئے دوسرے کونے میں جا دبکے ـــ مگر معزز غیابی مہمانوں کے احترام میں ہمیں ایک بار پھر اٹھنا پڑا ـــ ہماری سادگی، کم آمیزی اور شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں پھر اٹھا یا گیا ـــ اسلامی طریقے سے کوسا ـــ بدقسمتی تھی کہ منہ سے نکل ہی گیا کہ ـــ "حضرت چمڑا لائیے اور سکّہ چلا کر رہی سہی کسر پوری کر دیجئے" ـــ وہ مجھے حیرت سے پھٹی آنکھوں سے تکنے لگے کہ یہ بدذوق ـــ قیافوسی مزاج کا کوئی عجیب آدمی ہے کہ ہماری "نائٹ" کا بھی اسے خیال نہیں ـــ آپ بھی ذرا سوچئے ـــ آخر اس دل جلے کا اس میں کیا قصور ہے ؎

کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں!

ہم اس کس مپرسی پر سخت مضطرب اور نالاں تھے دل ہی دل میں اس بدبختی پر اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے غرض پھر اسی ہال میں جیتے جی قدم نہ رکھنے کی قسم کھا کر واپس ہی جانے والے تھے کہ افتخار صاحب کو ہم پر ترس آیا۔ اور اپنے پہلو میں جگہ دے دی ـــ اگرچہ ہم اپنی سیٹ سے درد کی طرح گرم جوشی سے اٹھے تھے مگر دل کی طرح بیٹھنے والے نہ تھے۔ ـــ پرانی جگہ پر "معزز مہمانوں" کو دیکھنے کی خواہش دل میں مچلنے لگی کہ آخر ایڈنبرا یونیورسٹی کے وہ کونسے

سے معزز گریجویٹ ہیں جو ہماری جگہ نازل ہوئے
ہیں ------ جب دیکھا کہ یہ تو سکول کے منظورِ نظر
طالب علم ہیں ------ تو ہماری ویران آنکھیں کھلی کی کھلی
رہ گئیں ------ ! ہماری دُعا ہے کہ خدا گنجے کو
ناخن نہ دے ------ آمین - ثم آمین۔

پہلی نشست

حاضرین کے تشریف فرما ہونے کے بعد
اگلا مرحلہ یونین کے نائب صدر مرزا انس احمد صاحب
کے مسندِ صدارت پر جلوہ افروزی تھی ------
کابینہ کے معزز ارکان کالج کے "قومی لباس" سیاہ
اچکنوں میں ملبوس اسٹیج پر آ موجود ہوئے ------
سیکرٹری صاحب نے صدرِ مجلس کے مسندِ صدارت
پر جلوہ افروز ہونے کا اعلان کیا ------ ہماری
مشتاق آنکھوں کو انتظار کی سزا دینے کے بعد
مرزا صاحب خدا خدا کر کے اسٹیج پر تشریف لائے
------ کالج کی روایات کے مطابق آپ کی مکمل
تشریف فرمائی تک حاضرینِ مجلس احتراماً کھڑے
رہے ------ عقیدت و ارادت کے محبت آمیز
ماحول ------ اور تحسین و آفرین کے "چھت شگاف"
نعروں میں آپ نے مسندِ صدارت کو زینت بخشی
------ نعروں کے شور سے ہمارے ہاتھوں
میں قلم کانپنے لگا ؎

ساقی ہے کس کے آنے سے بیتاب میکدہ
دستِ سبو ہے مثلِ کفِ رعشہ دار آج

اسلم صابر صاحب نے تلاوتِ قرآن مجید
فرمائی ------ اس کے بعد صدرِ مجلس نے اپنی افتتاحی
تقریر میں حاضرین اور مقررین کو خوش آمدید کہتے ہوئے
ان سب کا شکریہ ادا کیا ------ اس کے بعد سیکرٹری
صاحب نے قواعد و ضوابط پڑھ کر سنائے ------
مباحثہ کی منصفی کے فرائض ڈاکٹر مسٹر ایم نیوڈلنگ
------ کلچرل آفیسر امریکی شعبہ اطلاعات لاہور ------
مرزا ظفر احمد صاحب بار ایٹ لاء ڈھاکہ ------ اور
جناب ایم افضل صاحب سیکرٹری بورڈ آف سیکنڈری
ایجوکیشن لاہور ------ عزت مآب عبداللہ ابوبکر
صاحب نے قائدِ ایوان کی حیثیت سے یہ قرارداد کہ
"Individual is more important
than society" برائے بحث پیش کی - آپ
نے کہا کہ سوسائٹی افراد سے بنتی ہے لہذا افراد
سوسائٹی کی نسبت زیادہ اہمیت کے مالک ہیں -
آپ کی لچھے دار تقریر کے دوران میں آپ پر ان کے
مداحوں کی طرف سے پوائنٹ ------ ڈیسمل
نکتہ اور نقطہ ------ غرض رنگا رنگ کے پھول
برسے ------ آپ کی تقریر اچھی تھی - مسلسل تجربے
فصاحت و بلاغت ان کے گھر کی لونڈیاں ہو چکی ہیں -
مگر آواز کی Pitch کا مسئلہ فی الحال لاینحل ہے
------ کوئی حکیم صاحب اگر انہیں کوئی مفید نسخہ بتا دیں
تو یہ کالج پر کرم بالائے کرم ہوگا ------ آپ کے
بعد عزت مآب پرویز پرواز صاحب قائدِ حزبِ
اختلاف کی حیثیت سے تشریف لائے اور قرارداد

کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ آدمی فطری طور پر مجلسی ہے ــــ آپ نے مختلف دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سوسائٹی زیادہ اہمیت رکھتی ہے ــــ مگر سامعین کی سرد مہری پہ ہم انگشت بدنداں تھے ــــ شاید یہ "قحط الرجال" سامعین کے حد سے زیادہ انہماک اور استغراق کی وجہ سے ہو ــــ پروازی صاحب کی ندرتِ تخیل ــــ اندازِ بیان اور نشستِ الفاظ قابلِ داد تھی مگر دورانِ تقریر میں آلۂ نشر الصوت نے متعدد بار تقریر میں بے لطفی پیدا کرنے کی کوشش کی ــــ آپ کے بعد اسلامیہ کالج کے شیخ خالد محمود صاحب نے قرارداد کے حق میں تقریر کی۔ اندازِ بیان واقعی قابلِ ستائش تھا۔ مگر جب ان کی ڈوبتی ناؤ کو ہم نے کاغذ کے چپوؤں کے بغیر گرداب میں دیکھا تو واقعی ہم تذبذب سے دوچار ہو گئے ــــ آپ نے حضرت قائداعظم کی مثال دیتے ہوئے کہا۔ کہ آپ فردِ واحد تھے مگر اپنے گرد سوسائٹی جمع کر لی۔ کبھی ان کی دلیل کو دیکھتے کبھی ان کی کشتیٔ فصاحت کیلئے کاغذی چپوؤں کو دیکھتے! بہرحال ہم سوچ رہے تھے کہ

جنابِ شیخ کا قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی ہے!

آپ کے بعد اسلامیہ کالج کے ایک اور مقرر تشریف لائے۔ آپ نے قرارداد کی مذمت کی۔ "تیز گام" کا نام تو سنا ہوگا آپ نے ــــ بس وہی Speed تھی۔ اس پر حاضرین چونکے کہ

کیوں کہ سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا! مگر صدرِ محترم کی طرف سے خاموش رہنے کا فرمان سن کر ایوان سہم گیا ــــ آپ نے برطانیہ اور امریکہ کی مثالیں دیکر سمجھانا چاہا کہ سوسائٹی زیادہ اہم ہے مگر تقریر میں ہر چیز روانی کا نام نہیں ــــ ان کی تقریر میں باقی تمام عناصر تقریباً مفقود ہی تھے۔ ــــ آپ کے بعد اورنٹیل کالج کے طالب علم عابد علی گوہر تشریف لائے ــــ باہر سے تشریف لانے والے مقررین میں آپ واحد فرد تھے جو مشرقی لباس میں ملبوس تھے ــــ ہم حیران تھے کہ یہ قومی لباس کی محبت ان میں کہاں سے حلول کر گئی ہے ــــ یہ معلوم کر کے ہماری ذہنی کشمکش کا خاتمہ ہوا کہ آپ کو اسی کالج سے یہ خصوصیت ورثے میں ملی ہے ــــ آپ نے کہا کہ Progress کا باعث Society ہے نہ کہ فرد ــــ آپ نے کہا کہ Society ایک بیکراں سمندر ہے اس کے مقابلے میں فرد جو ایک قطرہ ہے اس کی کیا اہمیت ہے ــــ بہرحال آپ نے عجیب و غریب دلائل دیئے ــــ اور تقریر میں ایسے محو ہوئے کہ آپ سے سٹیج کی خلاصی کرانے کے لئے سیکرٹری صاحب کو متعدد بار گھنٹی بجانے کی زحمت گوارا کرنی پڑی ــــ آپ کے بعد گورنمنٹ کالج سرگودھا کے اطہر سلطان صاحب نے تقریر کی ــــ آپ کی رفتار تیز گام سے زیادہ تو نہ تھی مگر کسی طرح کم بھی نہ تھی ــــ آپ کی تقریر سے ظرافت ٹپکتی تھی ــــ مجموعی طور پر

آپ ایک خوش فکر مقرر معلوم ہوتے ہیں یہ اور بات ہے کہ کچھ پوزیشن حاصل نہیں کر سکے ہے۔

قسمت بُری سہی پر طبیعت بُری نہیں!

آپکے بعد قابلِ ذکر مقرر لاءکالج کے سلیم جہانگیر ہیں ——— آپ نے حزبِ موافق کی طرف سے تقریر کی ——— آپ کی تقریر دلائل و براہین سے لبریز تھی ——— اندازِ بیان قابلِ ستائش تھا۔ حاضرین نے آپ کی تقریر کو بہت پسند کیا۔ ——— خیالات، فصاحت اور "سٹائل" غرض ہر لحاظ سے آپ کی تقریر بہت اچھی تھی ——— ———

آپ کے بعد ایک اور مقرر تشریف لائے۔ آئے تو بڑے جھوم کر تھے مگر ان کی حالت ذرا زیادہ ہی پتلی تھی ——— آپ نے بڑی تسلی سے Paper reading شروع کر دی ——— صدرِ مجلس نے تو منصفین کی آگاہی کیلئے جب کہا کہ "Paper reading is not allowed" تو یہ صاحب ناراض ہو گئے۔ احتجاجاً اسٹیج سے واپس آگئے ——— ان کو بار بار بلایا گیا۔ صدرِ مجلس کے بڑے اصرار کے بعد ان نے کمال شفقت سے غصہ تھوکا ——— اور اسٹیج پر تشریف لائے ——— ہم نے بڑے اہتمام سے اپنے اور کلیم بھیا کے کان صاف کر لئے کہ یہ حضرت بڑے اصرار کے بعد آئے ہیں اب ضرور "کچھ" فرمائیں گے ——— مگر ہمیں کیا خبر تھی کہ آندھی کی طرح آئیں گے اور بگولے کی طرح گزر جائیں گے ——— آپ نے اس انکشاف پر اکتفا فرمایا کہ "ان حالات میں میں تقریر نہیں کروں گا۔" ع

سرکار نے کمال کیا اختصار میں!

آپ کے بعد ایک اور مقرر تشریف لائے آپ نے ابتدا میں خوب روانی دکھائی اور ہماری بگڑی ہوئی طبیعت کو سنبھالا مگر اچانک Break سے ان کی فصاحت اور بلاغت کا بھی بھرم کھل گیا ——— آپ اسٹیج سے بھاگے نہیں سنبھل گئے اور تقریر جاری رکھی آپ نے ہاتھ پاؤں بھی مارے یعنی acting بھی کی۔ مگر جب نتیجہ نکلا تو ہمیں یہ سن کر بڑا افسوس ہوا کہ ساری کاوش اکارت چلی گئی ہے ہم نے "اِنّا للہ" پڑھ کر پھونکا اور نئے مقرر کا انتظار کرنے لگے ——— آپ کے بعد ایک "نیم نسوانی آواز" نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا ——— ہم نے جو ڈائس کی طرف "اضطراری حالت" میں دیکھا تو "صنفِ کرخت" ہی بسور رہی تھی ——— آپ نے تقریر کی اور ہم تقریر کی بجائے ان کی اداکاری سے محظوظ ہوئے ———

گو نہ سمجھوں اسکی باتیں گو نہ پاؤں اسکا بھید
پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا!

ان حضرات کے بعد پنجاب یونیورسٹی یونین کے یحییٰ اختر تشریف لائے آپ نے حزبِ موافق

کی طرف سے تقریر کی آپ نے دوسرے مقررین
کی تقاریر پر تبصرہ آرائی کی۔ آپ کی تقریر کا
زیادہ حصہ لاکالج کے ہونہار مقرر جہانگیر صاحب کی
تقریر پر تبصرہ پر مشتمل تھا ـــ آپ کی تقریر
دھواں دھار ہونے کی بجائے پُر مغز زیادہ تھی
ـــ فرحت ذا سنجیدگی سے ان کے جوہر اور بھی
نمایاں ہو رہے تھے ؎

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی!

آپ کے بعد سرگودھا کے شوکت صاحب
نے تقریر کی ان کی تقریر کو بالکل کھوکھلا نہیں
کہہ سکتے آپ کے بعد لاء کالج کے ایک مقرر
تشریف لائے۔ اداکاری قابلِ داد تھی ـــ
آپ کا بازو ایک خاص زاویہ پر بار بار اُبھرتا
ـــ گردن Anima پر خاص حد تک گردش کرتی۔
ـــ آپنے کہا کہ ـــ "Individual is
the centre of gravity of
society" ـــ اس سخن گسترانہ بات پر نیوٹن
کی رُوح پر فتوح بھی Purgatory میں پھڑک
اُٹھی ہوگی ـــ آپ کے بعد انور بخاری صاحب
(دیال سنگھ کالج) تشریف لائے آپ نے
حزبِ مخالف کی طرف سے تقریر کی ـــ آپنے
تبصرہ کرتے ہوئے ایک مقرر کو "greatest
Theif of society" کا "ڈپلومہ"
دیا ـــ آپ نے اقبال مرحوم کے اقوال اور
نظریات کی روشنی میں قرارداد کی مذمت کی فصاحت

بلاغت دیکھ عرب کے فصیح البیان یاد آگئے ـــ
آپ کے بعد انجینئرنگ کالج لاہور کے
صدیق ستار تشریف لائے ـــ آپ نے
حزبِ موافق کی طرف سے تقریر کی۔ آپ نے
جون آف آرک، ہٹلر اور سقراط
وغیرہ کی مثالیں دے کر فرد کی اہمیت واضح کی۔
ـــ آپ نے حضرت قائداعظم کی مثال دیتے
ہوئے کہا کہ پاکستان کو حاصل کرنے والی اگرچہ پارٹی
تھی مگر قائداعظم کے وجود باوجود کے منفی اثرات
سے یہ سوسائٹی انتشار سے محفوظ رہی ـــ
اس طرح ایک فرد کی مساعی جمیلہ سے ایک سوسائٹی
معرضِ وجود میں آنیکے بعد باقی رہی ـــ آپکی
تقریر دلائل سے لبریز اور بڑی معلومات افزا تھی
ـــ ایوان کی حالت تھی کہ ؎

نشۂ معنی میں تھے ڈوبے ہوئے سب سامعین!

آپکے بعد بنگال انجینئرز یونین کے ظفر محمود صاحب
نے تقریر کی ـــ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ
بڑے "خطیب" ہیں ـــ چنانچہ ہمیں آپکے کاشفِ مراد
خطاب سے محظوظ ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے
ـــ آپ ذرا جلد ہی ہجرت کر آئے تھے ـــ
آپکے بعد محمد یادی صاحب مومن نے تقریر کی ـــ
آپکی تقریر عموماً سنجیدہ ہوا کرتی ہے یہ اور بات
ہے۔ اس دفعہ ذرا زیادہ سنجیدہ نہ تھی۔ آپنے
حزبِ موافق کے ارکان کو "pure animals"
کہا۔ اس پر انہوں نے انہیں "Impure animals"

کہا ــــ آپ نے بھی فصاحت پر رحم کیا اور ایک آدھ منٹ آرام فرمایا ــــ اور وقت گنوا فی کر کے یعنی زادِ سفر لے کر پھر تقریر جاری کر دی آپ نے جاتی دفعہ بیچارے بے زبان ڈائس کو ایک بے تکا مکّہ کھینچ مارا ــــ انہیں تو اس کاغذ کو پھاڑنا چاہیئے تھا جو ان سے مکمل طور پر پڑھا نہیں جا سکا۔ بقول انکے ہم نام شاعر مومنؔ کے

میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا!

اس کے بعد عزت مآب قائد ایوان کو اختتامی تبصرہ کے لئے بلایا گیا ــــ آپ نے خوب پھپھولے پھوڑے ــــ عینک پوشی سے لغت کے تنگ صفحات تک گھسیٹتے چلے گئے ــــ لطیفہ گوئی سے قہقہوں کی حرارت نے سکوت کے برف زاروں کو پگھلا کر رکھ دیا۔ مگر ہم سوچ رہے ہیں کہ اس طعنہ سرائی کا کیا فائدہ!

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالبؔ
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو!

اب منصفین کے فیصلہ کا انتظار ہونے لگا ــــ

ایوان پر "بوریت" کے بادل چھا چکے تھے ــــ مگر شاعری کی کرن چمکی جس سے بوریت کے بادل چھٹ گئے ــــ پروفیسر جیلانی صاحب کو بلایا گیا ــــ سارے ایوان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ــــ سبحان اللہ شاعری بھی کیا چیز ہے! ــــ آپ نے حاضرین پر ترس کیا اور قطعات، غزلیات اور نظمیں سنائیں ــــ حاضرین کو صرف مخطوط ہی نہیں مسحور فرمایا بلکہ کئی احباب کی جان بھی بچائی ہے ــــ ورنہ انتظار کی صبر آزما گھڑیوں سے خدا جانے کیا کیا وقوع پذیر ہو جاتا! ــــ ہمارا خیال تھا کہ کئی شعر یاد رہ جائیں گے مگر اب معلوم ہوا ہے کہ کیمیا کے Alkyl Halides اور ریاضی کے $\cos\theta$ ، $\sin\theta$ ــــ یاد کرتے کرتے ہمارا حافظہ اس حد تک برباد ہو چکا ہے کہ اب شعر جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

ان گراں قدر اشعار پر انہیں خوب داد ملی ــــ اتنے میں فیصلہ بھی صادر ہو گیا ــــ

سلیم جہانگیر (لا کالج) ــــ اوّل ــــ
صدیق ستار (انجینئرنگ کالج) ــــ دوم ــــ
انور بخاری (دیال سنگھ کالج) ــــ سوم ــــ
ٹرافی ــــ لا کالج اور ایوان ــــ جناب پرویز رازی صاحب ــــ بارک اللہ...

دوسری نشست

دوسرا دن اردو مباحثے کے لئے مخصوص تھا ــــ حاضرین کے اشتیاق کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وقتِ مقررہ سے قبل سارا ہال کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ اور کئی "شائقین" کو کھڑے ہو کر کاروائی سننی پڑی ــــ اور خوش قسمتی دیکھئے کہ وہ کئی "شائقین" ہم ہی ہیں ــــ (اور طرہ یہ کہ ہمیں ڈائری لکھنے کی فرمائشیں موصول ہو رہی تھیں!؟

ساڑھے چھ بجے خدا خدا کر کے اس صبر آزما انتظار کی لے ٹوٹی۔ صدر مجلس کی مکمل تشریف فرمائی کی تمام رسومات کی ادائیگی کے بعد مبشر احمد صاحب نے تلاوت قرآن مجید فرمائی۔ سیکرٹری صاحب نے حسب معمول قواعد و ضوابط پڑھ کر سنائے —— عزت مآب عبدالسمیع صاحب قائد ایوان کی حیثیت سے تشریف لائے اور یہ قرارداد برائے بحث پیش کی کہ "قوم کو سیاست دانوں کی ضرورت نہیں" —— مشرقی لباس میں ملبوس مقرر نے بڑے مؤثر انداز میں قرارداد کی وضاحت کی۔ حاضرین دم بخود بیٹھے رہے اور صرف اسی وقت انہیں وقت کا احساس ہوا جب قائد ایوان اسٹیج چھوڑ کر چلے گئے —— آپ نے کہا کہ اسلامی معاشرہ کی تعمیر، پاکستان کے حصول کا بنیادی مقصد تھا۔ مگر دس سال کے عرصہ میں اس اولین مقصد کو حاصل نہیں کیا گیا —— آپ نے کہا کہ قوم کو حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر انسان کی ضرورت ہے جو قرآن، اسلام اور قوم و وطن کا سچا خادم ہو —— آپ نے پاکستان کے متعدد مسائل پر تبصرہ کیا۔ اور قرارداد کو بڑے جوش و خروش سے پیش کیا —— آپ کی تقریر کو پسند کیا گیا —— حاضرین نے تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسائے کبھی کبھی بے تکی داد بھی بطور مال غنیمت وصول ہو جاتی —— آپکے بعد کالج کے معروف مقرر عزت مآب عبدالرشید صاحب قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے تشریف لائے آپ نے قرارداد کی پُر زور مذمت کی۔

آپ نے مزاحیہ رنگ اختیار کرتے ہوئے کچھ ایسے شگوفے چھوڑے کہ ایوان پر چھائی ہوئی عارضی مُردنی اور یاسیت نقرئی قہقہوں کی کھنک میں تبدیل ہو گئی! آپ کا انداز بیان اس قابل تھا کہ پھول برسائے جائیں مگر پھر خیال آیا کہ پھول لگنے سے کوئی ہڈی نہ ٹوٹ جائے اس لئے صرف زبانی داد پر قناعت کی —— آپ کی تقریر دل پذیر سے ایوان میں ایک کیف آفریں ماحول سا پیدا ہو گیا جس میں متعدد بار موسیقی نواز قہقہے ابھرتے —— اور سامعین کو گرما دیتے —— آپ جب فضا میں لہرانے کے لئے بازو اٹھاتے یا مخروطی انگلیوں کو پُر حکمت انداز سے جنبش دیتے تو وجد کے عالم میں ہماری حالت دگرگوں ہو جاتی ——!

آپ کے بعد ایک صاحب بڑے مستانہ انداز سے اسٹیج پر تشریف لائے۔ آپ نے حزب اختلاف کے قائد کی تقریر پر تبصرہ شروع کر دیا آپنے امیر معاویہؓ کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ ان کی سیاستدانی کی وجہ سے اسلام میں ملوکیت داخل ہوئی۔ اور مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو گیا —— آپ نے مثالیں دیتے ہوئے کہا کہ بنی امیہ کی سیاست دانی کی قربان گاہ پر کئی مایہ ناز فرزندان اسلام کو قربان کر دیا گیا ہے —— آپ کی سخن گستری سے ایوان میں کچھ خاص ردِ عمل نہیں ہوا! —— آپ کے بعد ایک اور صاحب اسٹیج پر وارد ہوئے —— وارد کیا ہوئے اسٹیج پہ بوجھ بن کر رہ گئے —— آپ کی

مسکراہٹ اور ناز آفرینی قابل داد ہے —
— شاید آپ کو یاد بھی ذہن کے کہنہ دفینوں سے
مفقود ہو جاتی — مگر الحمدللہ ان کی گردن کو سلامت
رکھے جس کی "دلفریب" حرکات نے انہیں فراموش
ہونے سے بچایا ہے — جب نامانوس الفاظ اور
ثقیل محاورات انہیں "اٹکنے" پڑتے تو گردن خدا
جھوٹ نہ بلوائے ہمیشہ "زاویہ قائمہ" سے تجاوز کر جاتی
— آپ نے کہا کہ سیاست دان ملکی مفادات
کی قربان گاہ پر دوسرے ممالک کے مفادات
کو قربان کر دیتے ہیں اسی وجہ سے دنیا میں امن
کا قیام ایک کھوکھلا نعرہ بن کر رہ گیا ہے —
آپ نے ایک اور عجیب بات کہی کہ "وہ لوگ جو
سینکڑوں سال گزرے، گزر چکے ہیں — ہمارے
مسائل حل نہیں کر سکتے — (آپ اس مقرر کی
تقریر پر تبصرہ کر رہے تھے جس نے کہا تھا کہ ہمیں
عمرؓ جیسے انسانوں کی ضرورت ہے) — ہمیں
اس دعویٰ سے شدید اختلاف ہے — اگر آج
حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر انسان دنیا کو میسر آجائیں
تو موجودہ بدامنی کے جہنم زار کے لپکتے ہوئے شعلے
حرمِ انسانیت کو ہرگز بھسم نہ کر سکیں — بلکہ
امن و آشتی کی مشکبار نسیم ساری کائنات کو کیف آفریں
صحنِ چمن میں ڈھال دے —!)

آپ کے بعد ایک اور صاحب تشریف لائے
— یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی ابھی اللہ کی رحمت
کی غار سے "طلوع" ہوئے ہیں — موصوف داڑھی
رکھتے تھے۔ اسلامی شعار کی جھلک دیکھ کر دل وفور
مسرت سے جھوم اٹھا — اور دردِ دل سے
مقرر کے حق میں دعائے خیر کی — اگر موصوف
مغربی لباس کی بجائے عربی لباس میں ملبوس ہوتے
تو بغداد کے مجتہد معلوم ہوتے — آپ کی
تقریر بڑی سنجیدہ تھی — آپ نے سیاست
کی لغوی تشریح کی اور کہا کہ فطری طور پر ہر مسلمان —
سیاستدان ہے — آپ نے پاکستان
کے متعدد لاینحل مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ
اس بحران کا باعث سیاستدانوں کا فقدان ہے
— آپ نے کہا کہ "قوم کو سیاستدانوں
سے محروم کرنا بھیڑوں کے ریوڑ کو خواہ مخواہ بھیڑیوں
کے حوالے کرنے کے مترادف ہے" آپ نے بڑے
سکون اور تسلی آمیز لہجے میں تقریر کی —
مولانا صاحب کی تقریر بڑی حد تک تصنع سے
پاک تھی

ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں!

آپ کے بعد ایک اور بزرگ تشریف لائے
— ان کے حلیے سے ہم نے اندازہ لگایا کہ
یہ حضرت ضرور کچھ گل کھلائیں گے۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا
ہمیں اندیشہ تھا — اسٹیج پر آ کر آپ سے
کچھ ایسی لغزشیں ہوئیں کہ فصاحت و بلاغت کا بھرم
کھل گیا — آپ نے عینی اور محمدؒ بن قاسم کی
مثالیں دیں، اگر ہم یہ کہیں گے کہ ان کی اس جسارت
سے گنبدِ گردوں میں کئی فصیح البیان خطیبوں کی

رد جیں تڑپ اُٹھی ہوں گی !

آپ کے بعد ایک اور مقرر تشریف لائے —— مقرر کیا تھے بجلی کے شرارے تھے ! ! ظاہری قد و قامت سے تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ مقرر سب سے کم عمر ہیں —— آپ بھی اپنی ناؤ کو کھینے کیلئے کاغذی چپو ساتھ لائے تھے —— آپ نے بھی کئی شگوفے چھوڑے —— مثلاً آپ نے کہا —— "نیم حکیم خطرہ جان —— نیم ملا خطرہ ایمان اور نیم مقرر خطرہ ایوان" —— آپ نے کہا کہ سیاست دان .. تہذیب کی زمین سے ابھر کر معاشرہ کو رونق بخشتے ہیں —— آپ نے ایک دو مرتبہ "لو وٹ" کی بجائے "کورر" کہا تو ایوان کے اراکین ہنسے بغیر نہ رہ سکے —— ان کا طمطراق دیکھ کر ہم انگشت بدنداں تھے —— ان کی طبیعت کی چونچالی نے متعدد بار ایوان کو زعفران زار بنا دیا —— آپ ہی خدا لگتی کہیئے ع

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ ؟

آپ کے بعد ایک اور مقرر تشریف لائے —— سنجیدہ بھی تھے اور خوش فکر بھی تھے —— اگر کچھ کسر تھی تو وہ فصاحت اور روانی کی تھی —— آپ نے امریکی امداد پر تبصرہ کیا کہ پنجاب کے زرخیز خطے میں قحط کا پھوٹ پڑنا سیاست دانوں کا معجزہ ہے ! آپ نے کہا کہ قوم کو "میکاؤلی کے بیسویں صدی کے چیلوں" کی ضرورت نہیں قوم کو مذہبی رہنماؤں، سائنسدانوں اور ڈاکٹروں اور ماہرین تعمیر کی ضرورت ہے" —— مگر ایوان کی حالت تسلی بخش نہ تھی —— !

ایک اور صاحب آئے —— بڑے لطیفہ گو قسم کے مقرر تھے —— تقریر خوب جوش و خروش سے لبریز تھی —— جب آپ نے یہ کہا کہ موجودہ مسائل کا حل رہنما سیاستدانوں کے فقدان کی ناقابل تردید دلیل ہے" —— تو ایک کونے سے آواز آئی —— "غلط" —— اس پر سارا ہال قہقہوں سے حرارت سے گرما گیا —— تقریر کی شعلہ فشانیوں سے اگرچہ فضا معمور تھی مگر ع

قسمتِ بادہ باندازہ جام است یہاں !

اس کے بعد نسیم باجوہ صاحب نے تقریر کی ہم اپنے تبصرہ کے حقوق اگلے سال کے لئے محفوظ رکھتے ہیں کیونکہ آپ میں سے ہر ایک نے ان کی بلند پایہ تقریر کے طنطنہ خیز الفاظ اور ولولہ انگیز فقرات کو ضرور سراہا ہوگا —— ایک اور مقرر آئے آپ نے قائد حزب اختلاف کے اپاہجوں کے متعلق مزاحیہ فقرات کا جواب صدر محترم کی وساطت سے یوں دیا کہ —— "یہاں خیریت ہے اور آپکی خیریت خدا تعالیٰ سے نیک مطلوب ہوں ——" اس پر ایک زبردست قہقہہ پڑا —— ایک اور صاحب آئے امریکی سوسائٹی پر تبصرہ کرنا شروع کر دیا —— اور اصل موضوع پر ذرا کم ہی تبصرہ کیا

اس لئے ہم بھی ان پر کم ہی تبصرہ کرتے ہیں —— ایک اور مقرر تشریف لائے —— اندازِ بیان ہمارے رشید صاحب سے ملتا جلتا تھا —— لباڑتھری والے رشید صاحب نہیں ۔ بلکہ جناب قائدِ حزبِ اختلاف —— آپ نے جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظاموں کی پُرزور مذمت کی۔ آپ نے رشید صاحب کی "سنّت" پر عمل کرتے ہوئے ہاتھ پاؤں بھی مارے مگر لسانِ حال نے یہی صدا دی

ع اس مُرغِ پَرشکستہ کی پرواز دیکھنا!

آپ کے جانے کے بعد ایک "حُر" نمودار ہوئے —— آپ نے کہا کہ حزبِ مخالفت کے ارکان نے سیاست دانوں کی بیہودہ دستیوں سے تنگ آکر اقتدارِ اعلیٰ کی چوکھٹ پر اپنے سر رکھ دیئے ہیں —— کچھ دیر تک اُن کے شیوۂ حُریت کا مشاہدہ کرتا رہا —— آپ نے سیاست دان کی تعریف بھی سُنائی ۔ کہ "سیاست دان وہ ہوتا ہے جس کی کھال بھینس کی ہو اور سر گدھے کا" —— اس پر سارا ہال قہقہوں کی نذر ہو گیا —— زورِ بیان، فراوانیٔ جذبات و خیالات، بندشِ الفاظ —— ذوقِ شاعری کے لحاظ سے آپ کی تقریر بہت بالا تھی —— آپ کے بعد لاء کالج کے ارشاد حسین کاظمی تشریف لائے —— آپ نے "بھینس اور گدھے" والی تعریف پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ۔ کہ "مقرر یہ بات کہتے ہوئے بالکل سیاست دان لگتے تھے" —— ایک فلک شگاف قہقہہ پڑا ——

اسی طرح آپ نے قائدِ ایوان کی قرارداد کے منفی ہونے پر بھی آئینی اعتراضات وارد کئے —— آپ نے امریکی گندم کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ۔ کہ "اگر امریکی گندم نہ آتی تو آج مُلک قحط کی نذر ہو چکا ہوتا اور حزبِ موافق کا کوئی ممبر بھی شور مچانے کے لئے زندہ نہ ہوتا" —— آپ نے کہا ۔ کہ پاکستان کا متعدد نقصان دہ سال مسائل کے باوجود دس سال تک زندہ رہنا معجزہ اور کرامت سے کم نہیں ہے ۔ آپ کی تقریر کو بہت سراہا گیا —— تقریر دلائل و براہین سے لبریز تھی مگر مزاحیہ رنگ سے ایوان میں زندگی کی جھلک نظر آنے لگی ۔ ہمیں تو اپنی خبر ہے کہ ؎

بہاریں ہم کو بھولیں یاد ہے اتنا کہ گلشن میں
گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

آپ کے بعد قابلِ ذکر مقرر ہمارے شاہ صاحب ہیں۔ —— تقریر کچھ واجبی تھی —— اندازِ بیان بھی قابلِ ستائش تھا ۔ کمیٹی کی مشہوری کا باعث بھی ہوئے ہیں —— آپ آتے ہی قائدِ ایوان پر برسے —— پھر جلد ہی تھم گئے اور غصہ تھوک دیا —— خوب واہ واہ ہوئی ۔

قائدِ ایوان کے اختتامی تبصرہ کے بعد صدرِ مجلس نے رائے لی تو اراکین نے کثرتِ رائے سے سیاست دانوں کی ضرورت کو تسلیم کر لیا —— کالج کے ایک Old Boy خالد بشیر صاحب نے تقریر کرتے ہوئے صحیح فیصلہ پر ایوان کو مبارکباد دی ——

منصفین کا ذکر کرنا ضروری ہے ـــــ آج کے مباحثے کی منصفی کے فرائض ملک کے معروف شاعر اور مشہور ادیب جناب احسان دانش ـــــ ہفت روزہ قندیل کے ایڈیٹر جناب شیر محمد اختر ـــــ اور جامعہ احمدیہ ربوہ کے پرنسپل جناب سید داؤد احمد نے ادا فرمائے ـــــ ان حضرات کے فیصلے کے مطابق ارشاد جبین (لاء کالج) اوّل ـــــ پنجاب یونیورسٹی یونین کے نسیم باجوہ ـــــ دوم اور لاء کالج کے ریاض اختر سوم آئے۔ ٹرافی لاء کالج نے جیتی مگر ایوان رشید صاحب کے ہاتھ رہا ـــــ بارک اللہ!

اختتامی تبصرے کے بعد ایوان پر اداسی چھا گئی تھی۔ جسے دور کرنے کے لئے شاعری کے سوا اور کوئی علاج کارگر نہیں ہو سکتا ـــــ مشاعرہ تو اس سال ہوا نہیں ـــــ مگر قدرت کو اس حسرت کا طلبہ کے دل میں رہنا منظور نہیں تھا ـــــ ویسے بھی ہمارے دیس کی شاعر خیز زمین پر بسنے والے شاعر کو دیکھ لیں تو پھر سمجھئے کہ کلام سنے بغیر اسکی خلاصی ناممکن ہے ـــــ اور یہاں تو آدھے کا آدھا ہی شعر و سخن کا دلدادہ ہے ـــــ چنانچہ حاضرین کے بے حد اصرار پر جناب احسان دانش نے اپنا بلند پایہ کلام سنایا ـــــ اور اس طرح اس مشہور آدمی کے تشنہ لبوں کی شیرینیٔ کلام سے ساقی گری فرمائی ـــــ بلند پایہ کلام پر تحسین و آفرین کے نعرے لگے ـــــ اُدھر جناب دانش نے خوب داد وصول فرمائی اور ادھر شائقین کی فوج ظفر موج وجد میں جھوم اٹھی ـــــ اور تو اور ہم جیسے بدذوق بھی طائر بدلوح کی طرح بسمل ہو کر رہ گئے ـــــ!

ـــــ اب آپ بھی اکتا چکے ہوں گے ـــــ ہم بھی تھک چکے ہیں۔ آپ کی فرمائش پر ہم نے اس عظیم الشان تقریب کی حسین نقش کو اپنے الفاظ کے فرسودہ چیتھڑوں میں لپیٹ دیا ہے ـــــ اب آیئے مل کر اسے یادِ ماضی کی گود میں [illegible] یاد رکھیئے یہ اس کی حسین نقش ہے ـــــ ع

جس کی یاد دل سے بھلائی نہ جائیگی!

ظاہر اور باطن

(بقیہ صفحہ ۱۴)

ظاہری اعمال میں پاکیزگی کی روح پیدا کریں۔ اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کئی مقامات میں فرماتا ہے کہ:-

اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

یعنی ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی پاکیزگی کی روح کے ساتھ تائید کی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم احکام کے ظاہر کے علاوہ باطن پر بھی نگاہ رکھیں تا ہمارے اعمال حقیقی رنگ میں اپنے کمال کو پہنچیں اور قابل قبول ہوں۔ آمین

فریب ہائے مسلسل

ازل سے دُنیا فریب ہستی ہے
نظر کو چاند ستارے فریب دیتے ہیں
مری نظر ہے نظاروں سے گو بہت مانوس
قدم قدم پہ نظارے فریب دیتے ہیں
سفینہ کوئی جو موجِ بلا میں پھنس جائے
اُبھر اُبھر کے کنارے فریب دیتے ہیں
فریب ہائے مسلسل یہ ہے بنائے حیات
دل و نظر کو سہارے فریب دیتے ہیں
کسی عدو سے نہیں ہے مجھے یہ شکوہ خلیق
ہمیں تو دوست ہمارے فریب دیتے ہیں

لطیف قریشی

عقیدت کا نفسیاتی تجزیہ

کسی چیز یا خیال کے متعلق اس حد تک جذباتی یقین کہ انسان اس کے خلاف کچھ کہنا سننا برداشت نہ کر سکے عقیدت کہلاتا ہے۔

انسان جب کسی چیز کو دلیل، فکر یا تجربہ کے نتیجہ میں یا کسی اور سبب کی بناء پر صحیح اور سودمند پاتا ہے اور یہ دلیل یا ذکر بہت زیادہ اثر پذیر ہوتا ہے یا لمبے تجربہ کے بعد انسان اسکو ہر لحاظ سے فائدہ مند یا کسی نقصان سے بچاؤ کا ذریعہ پاتا ہے (میرے خیال میں تو نقصان سے بچاؤ بھی بہت بڑا فائدہ ہے) تو اسکے تحت الشعور میں یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے۔ اسی عمل کو ہم دوسرے لفظوں میں یوں بیان کرتے ہیں کہ اس خیال یا چیز سے فلاں کو عقیدت ہو گئی ہے۔

عقیدت کے معنی لغوی طور پر گرہ بندھ جانیکے ہیں۔ اسی سے لفظ عقیدہ نکلا ہے عقیدت بالکل گرہ کی طرح سخت اور پیچ در پیچ ہوتی ہے اور اس کا کھلنا گرہ کی طرح ہی مشکل ہوتا ہے جس بات کو مخاطب معمولی سمجھتا ہے وہی بات کسی دوسرے شخص (اس معاملہ میں کسی خاص نقطۂ نظر سے عقیدت رکھنے والے شخص) کے ذہن میں بہت گہرائی میں موجود ہوتا ہے اسی لئے سمجھانے والے کا کلام اس پر اثر نہیں کرتا جب تک کہ اتفاقی طور پر یا کسی طریق سے اس کے دل تک یہ پہنچ جائے اسی لئے اکثر بے شمار وعظ و نصیحت بے کار جاتا ہے

عقیدت کسی نظریہ یا چیز کی درستی اور سودمندی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مذہبی لوگوں کی اپنے نظریات کے ساتھ عقیدت ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اپنے نظریات کو ہر پہلو سے مکمل صحیح، درست اور سودمند پاتے ہیں خدا تعالےٰ کے وجود اور اس کی صفات میں یقین رکھنے اور ان سے عقیدت رکھنے اور خدا تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونے اور ممنوعات سے پرہیز کرنے میں وہ سراسر نفع پاتے ہیں اور ان احکام روگردانی کرنے میں عظیم نقصان کا احتمال رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ فوائد تمام دوسری عقیدتوں کے فوائد سے بڑھ کر ہوتے ہیں اسی لئے مذہبی لوگوں کی عقیدت بھی تمام دوسری عقیدتوں سے اعلیٰ و اکمل ہوتی ہے۔ جب مذہبی لوگ لاجواب کئے جاتے ہیں۔ تو

اپنے نظریات و اعمال سے عقیدت کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں "ہماری یہ عقیدت عقلِ انسانی کی رسائی سے باہر ہے۔"

۱۔ جس طرح بالعموم عقیدت کی پیدائش تدریجاً ہوتی ہے اسی طرح اس کا ازالہ بھی تدریجاً ہی ہو سکتا ہے۔ اور تدریجاً ہی کرنا چاہیئے۔

۲۔ دوسرے کے جذبات کو نہایت احتیاط اور محبت کے ساتھ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور پھر ان جذبات کا علم ہونے کے بعد ان کے خلاف کوئی بات ایسی نہ کی جائے جس سے ان کے جذبات کو ٹھیس لگے ورنہ ٹھیس لگنے کے نتیجہ میں جذبات مشتعل ہوں گے اور بجائے قرب کے بُعد پیدا ہوگا۔

صرف صاف دل ناصح اور صوفی منش محقق اور واعظ کی بات اثر انداز ہوتی ہے۔ ترش اور الزامی جوابات دینے والا جذبات کو ٹھیس لگاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ناکام رہتا ہے۔

بہتر ہے کہ اگر کسی بُری چیز یا بُرے خیال سے عقیدت کا ازالہ مقصود ہو تو معتقد کو کسی دوسری اچھی چیز یا خیال سے عقیدت پیدا کرنے کا موقع دیا جائے اور اگر ممکن ہو تو اس کو اس طرف کسی اور عمدہ طریقہ سے رغبت دلائی جائے۔

(سائیکو فلاسوفیکل سوسائٹی کی میٹنگ میں پڑھا گیا)

سائنسدان

بقیہ صفحہ

"ہاں جی! ہائیڈروجن کا سامان ہی چھٹا تھا!" لیکن انکی خود ہی تردید ہوگئی۔ کیونکہ سوڈیم، پوٹاشیم اور فاسفورس کے کثیف دھوئیں سے زیادہ انکی اِدھر اُدھر پٹی ہوئی کرچیں یعنی "ٹکڑے زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ "اے سائنس ماسٹر! ہمیں دیکھ اور ہمارے حشر کو دیکھ۔ اور گواہ رہ کہ اس ظالم نے ہمیں بم کی موت مارا۔"

ہماری جو ماسٹر صاحب سے "راز و نیاز" کی جو باتیں ہوئی تھیں وہ تو خیر خوب ہوئیں یعنی مار مار کر چودہ تو کیا ایک سو چودہ طبق روشن کر دیئے گئے اور آئندہ کے لئے سائنس روم سے جلاوطن کر دیا گیا۔ یعنی سائنس روم میں جانے کی ممانعت کر دی گئی اور پھر ہمیں بھی اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ ہم آئن سٹائن اور نیوٹن تو کیا انکی دم بھی نہیں بن سکتے۔

مجھ کو ہے وجہِ اضطراب تیری گرانیِ نظر

(بقیہ صفحہ ۳۷)

— آپکو ان معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے بہرحال مجھے افسوس بھی اور خوشی بھی کہ ع

میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

کلیم اللہ کرشن

ایک حقیقت ایک فسانہ

یہ بھی دُنیا میں انوکھی تو کوئی بات نہیں

گرما کی ایک نیم گرم شام تھی ——

سورج کو دلہن بن کر مغربی افق کے پار اپنے گھر رخصت ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا —— اور افق کے کنارے کنارے دلہن کی آخری جھلک نے گاڑھے سُرخ رنگ کے ساتھ پیلے اور سپید رنگوں کے امتزاج سے نیلگوں آسمان پر ایک جھالر سی بن دی تھی —— گویا خوبصورتی کو دوبالا کر دیا تھا —— بادلوں کے چھوٹے چھوٹے تاریک ٹکڑے وسیع و عریض آسمان پر سرگشت کر رہے تھے —— سائے دھندلے ہو چکے تھے —— پہاڑی کے آس پاس لمبے لمبے درخت جو گرمی کی تپش سے فارغ ہو گئے تھے —— اطمینان کا سانس لیتے ہوئے آپس میں کلول کر رہے تھے ——

پرندوں کے غول کے غول شور مچاتے ہوئے آشیانوں کی جانب محوِ پرواز تھے —— دور —— تھکے تھکے مضمحل کسان مزدور اور دیہاتی عورتیں دن بھر کی مشقت کے بعد سست رفتاری کے ساتھ بھاری بھاری قدموں اپنے گاؤں کو جاتے دکھائی پڑتے تھے ——

فضا پر ایک خاموشی سی طاری تھی —— سنسان خاموشی —— آئی شام —— دن کے خاتمے پر ہمارے خطۂ زمین میں نلکا لگا تھا —— بھلا ہو اس نلکے والے کا —— جاتے ہوئے کہہ دیا ! "خان صاحب ! ذرا نلکے کی حفاظت کرنا —— لوگ اکھاڑ لیا کرتے ہیں"

بھائی صاحب کو ذرا پہرے سے اُنس واقع ہوا ہے —— میری طرف منہ کر کے جھٹ کہہ دیا —— "ہاں کلیم ! اپن دونوں یہاں لیٹ رہیں گے" —— ہمیں بھی ہاں میں ہاں ملانی پڑی —— چنانچہ کھانے وانے سے فارغ ہو کر ہم بوریا بستر بغل میں دبا نلکے کے قریب آ گئے —— اور لگے جگہ تلاش کرنے —— اینٹیں تو چاروں طرف پڑی ہی تھیں، جھٹ ایک چبوترہ پر بھائی صاحب نے بستر بچھا دیا —— اور لیٹ رہے —— میں بھی اپنی لاٹھی پہلو میں رکھ کر بستر استراحت پر پڑا آرام کرنے لگا ——

برابر تھوڑی تھوڑی دیر بعد گردن اٹھا کر سنکے کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے کہ آیا سلامت ہے ---- یا کوئی اکھاڑ رہا ہے ---- خیر ---- دس ساڑھے دس تک تو جیں گھوڑے بیچ کر ع ---- غ ---- ہو گیا ---- اور سوتا ہی رہا ----

اُس دن چاند کی چوتھی تاریخ تھی ---- نیلے نیلے آسمان پر چاند اپنی جلوہ ریزیاں بکھیر کر غائب ہو چکا تھا ---- خاموش آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے ---- رات کے دو بج چکے تھے ---- جب میری آنکھ کھلی ---- فضا پرسکون ---- فطرت مدہوش ---- کبھی کبھی کتے بھونک اٹھتے جس سے فضا مرتعش ہو جاتی ---- چاروں طرف سناٹا ---- ہُو کا عالم ---- نہ چرند، نہ پرند نہ آدم زاد ---- رات نے اپنی سیاہ زلفوں کو تمام عالم پر بکھیر دیا تھا اور تمام ارضی مخلوق کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا ----

میں تو پہلے ہی دوپٹہ تان کر سو گیا تھا ---- مگر اب تو بھائی صاحب کی بھی آنکھ لگ گئی تھی ---- یکایک نیند ہی میں انہیں یوں محسوس ہوا جیسے کوئی سایہ اُن پر سے لہرا گیا ہو ---- انہوں نے کروٹ ہی بدلی تھی کہ ایک کالی بدلی ان کی نگاہوں کے سامنے تیرتی دکھائی دی ---- یکا یک ان کے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔ جب انہوں نے ایک جانگیہ پوش ---- برہنے ---- کالے بھجوت نما انسان کو دیکھا ---- وہ فوراً اُٹھے اور میری لاٹھی ہاتھ میں تھام کر چبوترا سے کود پڑے ---- اس سے ذرا پرے ایک اور آدمی کھڑا تھا ---- وہ انہیں جنگلی چور سمجھ بیٹھے اور لگے مارنے ---- شور ڈالنے ---- چور ---- چور ---- اور اس کالے لوٹ کے سے پل پڑے ۔ کچھ کھائیں ---- اور کچھ کھلائیں ---- شور سن کر میری نیند بھی کافور ہوئی ---- میرا خون کھولنے لگا ۔ میں نے سر کو زور سے جھٹکا دیا ---- جیسے میں سمجھتا تھا کہ اس طرح افکار کے بندھن کے ایک ایک جوڑ کو ہلا دوں گا ----

فوراً اٹھا ---- لاٹھی کی جگہ پہ ہاتھ مارا ---- لاٹھی ندارد ---- اسی طرح کود پڑا ---- ساتھ ہی دس بارہ اینٹیں بھی پاؤں پر آ رہیں ---- خیر دوسرے کی شامت کے لئے آگے بڑھا ---- اس نے فوراً لاٹھی سے سینے کو دھکا دیا ---- اور اپنے سے دور رکھنے کی ---- اپنی سی ہمت کی ---- ان کی لاٹھی کو میں اپنی لاٹھی سمجھ بیٹھا ---- سچ پوچھو تو میرا خون کبوتر ہو گیا جب میں نے اپنی لاٹھی اپنے ہی سر دیکھی ---- بس پھر کیا تھا ---- پل پڑا ---- جونہی آگے بڑھا ایک لاٹھی سر پر پڑی ۔ ---- ہاتھ سے بہت روکا مگر بھی لگ ہی گئی ۔ ---- اب سر بھی سُن ہو گیا ---- مگر میں نے بھی

اس کی عاقبت تنگ کی ——— خون کے گھونٹ
پی کر پھر لپکا ——— اب کے اس نے ٹخنے پر رسید
کی ——— ظالم نے پیر بے کار کر ڈالا ——— اب
ٹخنہ بھی سُن ہو گیا ——— میں نے اپنی سی بہت کی
کہ لاٹھی نہ لگے مگر چوتھی کمر میں آن لگی ——— اب
میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ دماغ ماؤف ہو گیا
——— چیخ چیخ کر آواز رندھ ہو گئی ——— اب
خون آتشین لاوا بن کر کھولنے جو لگا ——— فوراً
آگے بڑھ کر اُس کی لاٹھی اس زور سے تھامی کہ بس
وہ جھڑانے کیلئے زور لگاتا ہی رہ گیا ——— پھر
دل میں خیال آیا کہ اس طرح کوئی فائدہ نہیں ———
نہ وہ ہمیں مانے نہ ہم اُسے ماریں ——— اس زور
سے جھٹکا دیا کہ وہ دور جا گرا ——— اور میں نے
لاٹھی چھین کر ——— آنکھوں پر پٹی باندھ کر ———
خوب پھپھولے پھوڑے اور آڑھی ترچھی لگائیں
——— اس کی بوٹی بوٹی سُن کر دی ———

مگر معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس قدر سخت جان
ہے کاٹے کٹے نہ مارے مرے ——— تن بدن
میں آگ لگ گئی ——— اس کی اور درگت بنانے
اور ناک میں تیر شینے کی ٹھانی ——— مگر اس کے
تو گال پر گال چڑھے تھے ——— اب کے لئے
لاٹھی تھام لی ——— اور ایسی تھامی کہ بس دونوں
ٹکڑے ہی رہ گئے ——— جب اس طرح کام نہ
چلا تو طرح ڈال کر شکنجے میں کھینچا اور اس زور کا جھٹکا
دیا کہ وہ بچارہ سر جھکا کر قریب ہو گیا ——— پھر
گیا تھا ——— لاٹھی والا بھی چھوڑ دیں گلے پڑ گیا ———
لہو تو سفید ہو ہی چکا تھا ——— تڑاق پڑاق کر کے
دس اِدھر اور دس اُدھر گھونسے رسید کر دیئے
——— اس کا ہاتھ میری کمر میں ——— اور اس کے
بال میری مٹھی میں ———

غرض خوب میدان گرم رہا ——— وہ ہمیں
چور سمجھتے رہے ——— اور ہم انہیں ——— انہوں
نے بھی محلے والوں کو مدد کے لئے پکارا اور ہم نے
بھی ——— جب لوگوں نے دھما چوکڑی سُنی
تو فوراً لاٹھیاں لئے آن پہنچے ———

جونہی وہ قریب پہنچے کیا دیکھتے ہیں ——— کہ
کُشتا چھینی سب ختم ہے۔ بلکہ دونوں لڑنے والے
ایک دوسرے سے ہاتھ ملا ملا کر ——— قہقہے
لگا لگا کر پرسکون فضا کو مرتعش کر رہے ہیں ———
بات یوں ہوئی کہ جب میں ان کی چھاتی سے لپٹ
کر گھونسے رسید کر چکا ——— اس وقت
ان کا منہ میرے اتنے قریب تھا کہ انہوں نے
مجھ کو پہچان لیا ——— اور میں نے اُن کو ———
دوسرا لڑکا جو بھاگ گیا تھا وہ قریب
آ چکا تھا اور بھائی سے ملنے لگا ——— اور
سننے والوں نے کہا سُنا ——— کہ مستری عبدالرحیم صاحب
جو اس رات پہرہ پر تھے کہہ رہے ہیں" ——— او !
خان صاحب ! آپ ! ادھر میں کہہ رہا تھا
——— "او ! مستری صاحب ! آپ ہیں"
اس وقت فجر کا ستارا آسمان پر ابھی

حفاظت احمد

سائنسدان

کہتے ہیں کہ جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ ہماری جو شامت آئی تو "سائنس" کی طرف بھاگے۔ یعنی کہ اس سے بہت زیادہ دلچسپی لینا شروع کر دی۔ ہمارا سکول ایک گاؤں نما قصبہ میں واقع تھا۔ جہاں علم سائنس خاص طور پہ خشک مضمون سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس میدان میں ہمیں اپنا رنگ جمتا نظر آیا۔ بس! پھر کیا تھا۔ وھو المراد۔

ہر ہفتہ سکول کی بزم ادب میں ہماری تقریر کا موضوع سائنس سے متعلق ہوتا۔ اس ضمن میں نامور سائنسدانوں، نئی ایجادوں اور خاص کر ایٹمی تحقیق کے بارے میں یہ خاکسار ہی سب سے زیادہ جانتا تھا۔ نتیجۃً ہم اپنے اصلی نام کی بجائے "سائنسدان" کہلانے لگے۔ وقت گزرتا گیا اور ہمارا جنونِ سائنس بھی ترقی کرتا گیا حتیٰ کہ ماسٹر صاحب بھی ہم کو "کچھ" سمجھنے لگے۔ دوسرے لفظوں میں سائنس روم کی وزارت امور داخلہ میں ما بدولت کو بھی شامل کر لیا گیا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ شامت اعمال سے محترم ماسٹر صاحب نے بندہ کو یاد فرمایا۔ خاکسار کلاس میں سے ایسے اٹھا جیسے واقعی کسی ایٹمی تحقیق کے بارہ میں مشورہ لینے کے لئے مجھے طلب کیا گیا ہے۔ خیر ہم سائنس روم میں پہنچے۔ ماسٹر صاحب ناک کی پھننگی پر عینک جمائے کرسی پر بیٹھے تو کیا گویا کرسی کے کلیجہ میں گھسے ہوئے تھے۔

دیکھتے ہی فرمایا "ہاں بھئی! حفاظت یعنی کیا کہتے ہیں کہ وہ انسپکٹر صاحب اگلے ہفتہ معائنہ کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ اس لئے کیا کہتے ہیں! کہ یعنی کہ سائنس روم کی صفائی ضروری ہے اور ہاں! کیا کہتے ہیں کہ تم جا کر اپنا بستہ لے آؤ اور سارا دن یہاں گزارو۔ سمجھ گئے؟"
("کیا کہتے ہیں" ماسٹر صاحب کا تکیہ کلام تھا)

بڑی مدت کے بعد یہ پری شیشہ میں اتری تھی۔ آج دل کے ارمان پورے کرنے کا موقع ملا تھا۔ دوڑ کر گئے۔ کلاس میں سے بستہ لائے اور رکھ دیا الماری کے نیچے! اور بطور سند کاغذ کے چند ٹکڑے بھی ماسٹر صاحب کے سامنے اٹھا کر باہر پھینک دئے۔ ماسٹر صاحب نے

اپنی مخصوص بیڑی کا ٹکڑا سلگایا اور انگھتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔

سب سے پہلے تو دروازہ اچھی طرح بند کیا پھر شروع ہوئی اصل تحقیق! تیزاب ہم نے دیکھا ہی کاہے کو تھا۔ آیوڈین کو سمجھے کہ تیزاب ہے تھوڑی سی مقدار زمین پر گرائی۔ لیکن زمین نہ ابلی۔ بس ہمارے لیے تو یہی سند تھی کہ جس چیز کے گرنے سے زمین ابل پڑے۔ وہ تیزاب ہے لیکن اس "چیز" کے گرنے سے زمین نہیں ابلی۔ لہٰذا یہ تیزاب نہیں۔ آخر بڑی تلاش اور جستجو کے بعد ایک بوتل پر "نائٹرک ایسڈ" لکھا ہوا پایا۔ یعنی دوسرے لفظوں میں

"بڑی مدت کے بعد آخر یہ شاہین زیر دام آیا"۔

بیکر بالکل نئے تھے ان میں تھوڑی تھوڑی گھاس وغیرہ بھی لگی ہوئی تھی۔ جلدی میں یا خوشی میں، جو بھی سمجھئے۔ ہم نے اس خامی کی طرف توجہ دینے کی زحمت گوارا کرنی گویا اپنی ہتک سمجھی۔ بس پھر کیا تھا! الٹ دی بوتل کی بوتل بیکر میں! کیا دیکھتے ہیں کہ تیزاب میں گھاس اس طرح معلوم ہو رہی تھی۔ جیسے کسی "روح افزا" قسم کے شربت میں چیونٹیاں! ظاہر ہے کہ اگر شربت میں چیونٹیاں ہوں تو یا تو اسے پھینک دیتے ہیں۔ یا چھان لیتے ہیں۔ لیکن یہاں تو شربت کے بجائے تیزاب صاحب براجمان تھے۔ سوچا اسکو چھان تو سکتے ہی نہیں! پھینک ہی دیتے ہیں۔

ہمارے سائنس روم کی نالی تو گویا ازل سے بند تھی۔ اس لئے اس وقت بھی وہاں تھوڑا سا پانی کھڑا تھا۔ پانی میں تیزاب ملا عجیب گڑ گڑ سی بو ہوگئی۔ گویا غدر ہوگیا۔ اب ایک اور شوق دل میں سمایا کہ اگر پانی۔ نائٹرک ایسڈ اور ڈسٹر گندہ ملا کے معجون مرکب میں اگر نمک اور گندھک کے تیزاب ملا دیئے جائیں تو کیا ہو؟

اس وقت خاکسار ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح تھا خواہش کا پیدا ہونا ہی تھا کہ عمل پیرائی بھی شروع ہوگئی۔ برا ہوا۔ ہائیڈروکلورک ایسڈ کی بوتل کا۔ کم بخت جہاں رکھی تھی۔ وہاں سوڈیم پوٹاشیم اور فاسفورس جیسے حضرات بھی تشریف فرما تھے۔

مذکورہ بالا چیزوں کو دیکھ کر دل میں ایک نامعلوم سا جذبہ پیدا ہوا۔ عرصے سے ان کی تعریف تشریف کے قصیدے سنتے آئے تھے آج انکی حقیقت دیکھنے کا موقع نصیب ہوا تھا۔

خیر پہلے تو ہم نے نہایت بیدردی سے نمک اور گندھک کے تیزابوں کو اس حوض نما نالی میں پھینکا جو عرصہ سے بند تھی۔ جس کا نتیجہ جو ہونا تھا ہوا۔ یعنی غدر نما گڑ بڑ۔ اب ہم نے اپنے شوق کی دوسری قسط ادا کر دینی فرض سمجھی اور سوڈیم و پوٹاشیم کو لے کر دونوں کو ملا دیا اور ان کو کچھ ایسی طرح گڈمڈ کر دیا جیسے حلوے میں بادام۔ لیکن باوجود رستمی زور لگانے کے

دونوں دھاتیں اچھی طرح بغلگیر نہ ہوئیں۔

اب ہم نے ان کو تو رکھا ایک طرف۔ اور عجیب شان استغناء سے لوہے کا چمٹا تھا اور اٹھا لے کر فاسفورس کی طرف بڑھے فاسفورس کا بوتل سے باہر نکل کر سوڈیم اور پوٹاشیم کے ساتھ ملنا تھا کہ ان پر خالص دھواں برآمد ہونا شروع ہو گیا۔ اب بندہ گھبرا گیا اور خود ایک ایسا انسان یعنی سائنسدان سمجھنے لگا جس نے کوئی بم بنا لیا ہو دل میں خوشی اور خوف کے جذبات ملے جلے کی سرشت کے ساتھ ایک خیال دماغ شریف میں تشریف لایا۔ یعنی سنا کرتے تھے کہ بم کو ٹھنڈی جگہ میں رکھا کرتے ہیں! اس وقت اتنی بم مخبوط الحواس ہو رہے تھے۔ اتنی بھی ہوش نہ تھی کہ جس حوض میں عابد و لعنت اپنے ایجاد کردہ بم کو رکھنے جا رہے ہیں اس میں پہلے سے ہی ہائیڈرو کلورک ایسڈ، سلفیورک ایسڈ اور نائٹرک ایسڈ جیسے حضرات تشریف فرما ہیں۔ معجون سوڈیم پوٹاشیم اور فاسفورس کو جیسے گشتہ ہائیڈرو کلورک ایسڈ، سلفیورک ایسڈ اور نائٹرک ایسڈ میں ڈالا گیا تو اس کا ابتدائی مرحلہ تو خیریت سے گزر گیا لیکن ایک لمحے کے بعد تینوں تیزابوں نے اس گولا نما مرکب کو آڑے ہاتھوں لیا یعنی تبرک سمجھتے ہوئے کچھ ایسی خاطر تواضع کی کہ یہ دھاتیں ایک سفید گیند بن گئیں اور تیزی کے ساتھ پانی کی سطح پر چکر لگانے لگیں۔ ایک عجیب سی "شوں شوں" کی آواز آنے لگی۔ ہم ڈر کر ذرا پیچھے ہٹ گئے۔ ایک دم بھک سے اس گولے کو آگ نے پکڑ لیا۔ ہم نے اطمینان کا سانس لیا کہ چلو "مردہ پھونکا" لیکن سے

"وہی ہوتا ہے جو سائنس کی کتاب میں لکھا ہوتا ہے!"

ایک دم ایسے زور سے دھماکا ہوا کہ یقین ہے کہ پاس والے قبرستان کے سوئے ہوئے مجاور تو کیا مردے بھی جاگ پڑے ہونگے کیا دیکھتے ہیں کہ نالی جو شاید ازل سے بند تھی کچھ اس طرح صاف ہو گئی تھی جیسے بورڈنگ کے لڑکے دال کی پلیٹ کو دھو چاٹ کے رکھتے ہیں! اور ایں جناب جائے وقوع سے ۲۰ فٹ دور، دیوار کے ساتھ ایستادہ بت کی طرح کھڑے تھے اتنے میں دروازے پر لڑکوں نے گولہ باری شروع کر دی پہلے آہستہ آہستہ ہمارا دماغ سینٹر میں آیا جب صراحی پر رکھا ہوا پیتل کا گلاس جلترنگ کی طرح بجنے لگا۔ اور دیواریں ہلنے لگیں تو معلوم ہوا کہ واقعی کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ خیر ہم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلنا تھا کہ سارا اسکول اندر آ گیا۔

"کیا ہوا؟" "کیسے ہوا؟" "کیوں ہوا؟" کچھ اس قسم کے سوالات تھے جو کہ سب سے پہلے میرے کانوں میں پڑے۔ اتنے میں کوئی حضرت بولے کہ ہائیڈروجن کا سامان پھٹ گیا ہوگا یہ بات سننی تھی کہ دل میں ایک خیال آیا۔

ماسٹر صاحب کے استفسار پر ہم نے جواب دیا

لطف الرحمٰن محمود

مجھ کو ہے وجہِ اضطراب تیری گرانیٔ نظر!

یہ مسئلہ بھی اپنی ژولیدگی اور الجھاؤ کی وجہ سے کافی اہمیت رکھتا ہے کہ امتحانات میں تقریباً ناکام طلبہ کی تعداد میں ہر سال ایک مایوس کن اضافہ کیوں ہو رہا ہے۔ یہ اضافہ جو اقتصادی طور پر ملک کے نقصان کے علاوہ قومی ذہانت کی بھی حق تلفی کر رہا ہے میں ذاتی تجربہ اور دیگر مشاہدات کی بناء پر اس موضوع پر اظہارِ خیال کی جرأت کرتا ہوں۔

اے خضر مجھے بے خودی کہ چلا جا رہا ہوں میں
منزل کو دیکھتا ہوا کچھ سوچتا ہوا!

اس کے بڑے بڑے اسباب —— نصاب کی ناموزونیت، طریقۂ تعلیم کی فرسودگی۔ بعض اساتذہ کی ناتجربہ کاری اور طلبہ کی عدم توجہی وغیرہ وغیرہ قرار دیئے گئے ہیں۔ "تجربہ کار طلبہ" اس مایوس کن اضافے کی وجہ نصاب کا غیر موزوں اور طریقۂ تعلیم کا ناقص ہونا قرار دیتے ہیں (ملازمت سے سبکدوش شدہ) ماہرینِ تعلیم کا خیال ہے۔ کہ اساتذہ ناتجربہ کار ہیں اور اساتذہ کا بیان ہے کہ طلبہ خاطر خواہ دلچسپی نہیں لیتے الغرض اس بحث میں تو بقول شاعر

دل سلگتے دماغ جلتے ہیں!

میری ناقص رائے میں یہ سب کچھ بجا ہے۔ نصاب غیر موزوں ہے۔ ذریعہ تعلیم قطعاً غیر معقول اور غیر منفعت بخش۔ اساتذہ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب نہیں کرتا طلبہ بھی سچے ہیں اور ماہرینِ تعلیم بھی "سچے" نہیں۔ اساتذہ کے دلائل بھی سچے ہیں۔ سب کچھ سہی مگر بذاتِ خود ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے میری یہی رائے ہے کہ امتحانات میں ناکام ہونے کی سب سے زیادہ ذمہ داری طالب علم پر عاید ہوتی ہے۔ امتحانات میں ناکام ہونے والے طلبہ کی تعداد میں مایوس کن اضافے کی بڑی وجہ طلبہ کی عدم توجہی ہی ہے۔ خواہ میری اس جسارت کو کوئی ذاتی خیالی تصور کرے یا مبنی برصداقت حقیقت ایک سادہ سی مثال ہے فرض کیجیے ایک ناتجربہ کار استاد کی نگرانی میں پچاس طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ استاد ناتجربہ کاری کے باوجود ناموزوں نصاب ختم کرا ناہے فرض کیجیے وہ ذریعہ تعلیم بھی غلط ... سے نکون ہیچ

طلبہ کی تعلیم و تدریس کے لئے ناتجربہ کار استاد بروئے کار لاتا ہے۔ طلبہ امتحان دیتے ہیں مگر دس طلبہ کامیاب قرار دیئے جاتے ہیں جو مختلف درجے حاصل کرتے ہیں ——— اور باقی قضائے الٰہی سے فیل ہو جاتے ہیں!

اس مثال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ استاد کی ناتجربہ کاری، نصاب کی غیر موزونیت، طریقۂ تعلیم کی فرسودگی اور طلبہ کی بے اتفاقی سے اس قدر برا نتیجہ نکلا۔ مگر ذرا سوچئے کہ وہ دس طلبہ کیسے کامیاب ہو گئے؟ نصاب کی غیر موزونیت نے سب پر یکساں اثر کیا ——— استاد کی ناتجربہ کاری نے سب کو مساوی نقصان پہنچایا ——— طرز تعلیم کے غیر معقول ہونے نے سب کو خسارے میں رکھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان مہلک اثرات کو ان دس طلبہ نے کس طرح زائل کر دیا؟ ظاہر ہے کہ ان کی محنت پڑھائی اور عرق ریزی نے ان نقصان رساں اثرات کو کسی حد تک زائل کر دیا ——— پس طلبہ کے پاس ان بد اثرات کو زائل کرنے کیلئے (گو کسی حد تک) ایک دفاعی قوت موجود ہے اور وہ ہے تعلیمی سرگرمیوں میں دلچسپی اور محنت کوشی ——— اگر محنت پڑھائی اور لگن ہی سے ان اثرات کو زائل نہیں کیا جا سکتا تو کیا وجہ ہے کہ وہ دس طالب علم کامیاب ہو گئے؟ میرے نزدیک پہلے تین اسباب ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اور طالب علم کی دلچسپی اور توجہ کو سب سے زیادہ دخل ہے۔

اس مثال پر غور کرنے کے بعد میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ناکام طلبہ کے انبوہ کثیر میں یہ جو "دن دوگنی رات چوگنی" ترقی ہو رہی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ طلبہ کی لاپرواہی ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوسرے اسباب کو دخل نہیں! ان منفی اثرات کا دخل ضرور ہے مگر ثانوی حیثیت رکھتا ہے ———

اس کے بعد ایک اور بڑی معقول وجہ مضامین کا غلط انتخاب۔ اسکی "ٹھوس دلیل" یہ خاکسار و راقم الحروف ہے۔ طلبہ کو مضامین کے اختیار کرنے میں پوری پوری آزادی ہونی چاہیئے۔ والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ "صاحبزادہ بلند اقبال" ضرور انجینئر بنے یا ڈاکٹر کہلا کر اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو لیکن اگر "صاحبزادے" میں انجینئر کی بجائے پروفیسر یا ڈاکٹر کی بجائے وکیل بننے کی صلاحیتیں اور استعدادیں زیادہ موجود ہیں اور مضامین کے انتخاب میں جبر برتا گیا ہے ——— تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "صاحبزادہ" نہ ڈاکٹر بنتا ہے نہ وکیل نہ انجینئر نہ پروفیسر ——— مجبوراً والدین انجینئر بننے والے بیٹے کو نمک مرچ کی دکان کھول دیتے ہیں ——— یا ڈاکٹر بننے کی توقع والے فرزند رجمند قلفیاں بیچتے ہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ کسی دفتر میں "بابو" کہلاتے ہیں۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو چپڑاسی کے عہدہ جلیلہ پر "جی" کہتے ہوئے سرفراز ہو جاتے ہیں ؎

اور سو ہیاں سہ لی ہیں تو اک یہ بھی سہی
ہم کو منظور ہے منت کش دربان ہونا!

اس طرح والدین کا لالچ اور ہوس کشی اُنکے "دل و دماغ" کو لے ڈوبتی ہے۔ اور یہ قرۃ العین بننے والے 'صاحبزادے' آشوبِ چشم بن کے رہ جاتے ہیں۔ آہ ؎

خواہشوں کو ڈبو دیا دل نے
ورنہ یہ بحرِ بیکراں ہوتا!

خلاصۂ کلام یہ کہ دیگر وجوہات کو بھی ایک حد تک اس میں دخل ہے مگر سب سے زیادہ اہمیت طالبِ علم کو حاصل ہے اگر وہ اپنی تعلیمی سرگرمیوں میں مستعد نہیں اور خاطر خواہ دلچسپی نہیں لے رہا تو اسکی ناکامی کی تمام تر ذمہ داری کس طرح سے جا کے استاد پر ڈالی جا سکتی ہے؟ یہ الزام اس دیدہ دلیری سے استاد کے سر تھوپا جاتا ہے۔ کہ گویا کمرۂ امتحان میں طالبِ علم کی جگہ مظلوم استاد اس کے پرچے حل کرتا ہے۔ اساتذہ دل میں ضرور سوچتے ہوں گے ؎

خود سنبھلتا نہیں شباب ان کا
تہمت ہم پہ لگائی جاتی ہے!

اس ناانصافی کا اقرار کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ اس ناانصافی پر اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؎

گرمئ گفتارِ اعضائے مجالس الاماں!

مندرجہ بالا باتیں تلخ ہیں اس لئے کڑوی بھی ہوں گی۔ مگر میں ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہوں کہ زہرِ ہلاہل کو زہرِ ہلاہل اور قندِ مکرر کو قندِ مکرر ہی کہوں خواہ اسے میری کج خلقی یا بد ذوقی پر ہی کیوں نہ محمول کیا جائے۔

تلخابۂ شیریں ——— بقیہ صفحہ

خود بہ مختصر کر سکے اسی طرح میں اپنے ادارہ تحریر سے سفارش کرتا ہوں کہ وہ ہر ممکن کوشش کرے کہ طلباء کی ادبی اور ذہنی کاوشیں ردی کی ٹوکری کی زینت نہ بنیں۔ المنار طلبہ کے لئے روشنی اور بلندی کا نشان ہے یہ طلبہ کے لئے مخصوص ہے اور طلبہ ہی نے مل کر اسے پالا ہے اس لئے میں سینہ بہ باں طلبہ کی خدمت میں اپنی ترقی کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہوا رخصت ہوتا ہوں

یہ بھی دنیا میں ہو کبھی تو کوئی بات نہیں

(بقیہ صفحہ)

جھلملا رہا تھا ——— اور ان کی روشنی دھندلکوں سے نکھر کر نکل رہی تھی ——— پہاڑی کی اوٹ میں ——— دور ——— دھندلکوں سے گاؤں کو جانے والی سڑک سے میلوں پرے کھیتوں میں پڑی ہوئی جھونپڑیاں ایک دل آویز سا نغمہ فضا میں بکھیر رہی تھیں ——— دھندلے دھندلے درختوں کے سائے دن کا خیر مقدم کرنے کے لئے نکھر سے جا رہے تھے ——— اور ——— ہم تادمِ تمام یہاں میں طلسم درد وں اور تکلیف نما گھڑیاں پہنے ویرانیوں پر بیٹھے رہے ——— اور صبح کی اذان کا انتظار ہونے لگا ———

امان اللہ قریشی

تلخابۂ شیریں!

جی ہاں آج یہ خاکسار مجلہ المنار قارئین ذی وقار کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہے کہ کچھ اپنی کہے کچھ آپ کی سنے اور اپنے غمگساروں کے جھرمٹ میں اپنے درد کو کم کرے اور اپنی کلفتوں و مصیبتوں سے نجات پائے۔

میں ہنوز طفل مکتب ہوں اور منزل ادب کی ابھی صرف آٹھ سیڑھیاں ہی طے کر سکا ہوں مگر اس عمر قلیل میں بھی اس احقر کو بے شمار مصائب سہنا پڑے ہیں۔

آنکھوں دیکھی کہتا ہوں اور کانوں سنی بتاتا ہوں کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کبھی وہ بھی زمانہ تھا کہ میرے انگریزی اور اردو دونوں حصوں سے مل کر میری جسامت اچھی خاصی ہوا کرتی تھی۔ مگر مرورِ زمانہ اور انقلاباتِ عالم کے تحت میری جسامت گھٹتی چلی گئی۔ اور ایک وہ وقت بھی آیا کہ صرف اردو سیکشن ہی چھپنے لگا اور وہ بھی صرف سولہ صفحات پر مشتمل۔ اس کا باعث یا تو یہ بتایا جاتا کہ "نہیں بجٹ میں گنجائش اس دفعہ کافی" اور کبھی میرے اربابِ حل و عقد کی سستیاں اور غفلتیں آڑے آتیں کہ یا حضرت! کیونکہ اس دفعہ المنار کے لئے مواد کم آیا ہے اور کالج کے طلباء کے روشن دماغوں پر جمود طاری ہے اس لئے ایک رسالۂ خاکسار فاقہ کشی کر رہا ہے

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر میری ادبی قطع برید کرنے والے میرے غمگساروں کے مضامین کو ردی کی ٹوکری کی زینت بنا کر ان کے دل کو خون نہ ہونے دیں اور بار بار اس خاکسار احقر المجلات کی طرف سے ہر طالبعلم کو یہ پیغام پہنچائیں کہ

صلائے علم ہے یارانِ مضمون رس ان کیلئے

تو مجھے یقین کامل ہے کہ میری صحت دن چوگنی رات آٹھ گنی ترقی کرنے لگے گی اور مجھے کبھی بدہضمی کی شکایت نہ ہو گی۔

لوگ کہتے ہیں کہ اب ہمارے کالج میں لکھاڑیوں کا فقدان ہے مگر میں کہتا ہوں کہ لے میرے اربابِ بست و کشاد ذرا ڈنڈا ہاتھ میں لے کر کالج سے ٹک شاپ ہوتے ہوئے ہوسٹل پہنچئے اور کونوں کھدروں میں تاک ٹوٹیے مار دیئے۔ احقر کا دعویٰ

ہے اور نہ مجھ محنت کو ضائع کرنے والا نہیں ہے۔ [redacted] یقیناً تمہیں بیسوں ایسے غمگسارانِ المنار آج بھی مل جائیں گے جو میرا دامن مضامین، اشعار اور تنقیدی مقالوں سے بھر دیں گے۔

اور اے میرے لگے بندھے لکھنے والو تم میری آنکھ کی ٹھنڈک اور نور اور دل کا سرور ہو اور میرا دل صفحات قلیل اور محدود بجٹ کے ہوتے ہوئے بھی پکار اٹھتا ہے کہ ھل من مزید

مجھے کس قدر قلق ہوتا ہے اس وقت جب میرے بعض مہربان لائبریری کے ڈپو سے مجھے حاصل کرتے ہیں۔ اور بغیر اس کے کہ وہ میرا چہرہ تک دیکھنے کی تکلیف گوارا کریں میرے سرورق کو پھاڑ کر اپنے کسی کورس کی کتاب کی زینت بنا ڈالتے ہیں اور گھر پہنچتے ہی میرے باقی صفحات قلیل بھی ان کی مختلف کتابوں کی جلدوں کی حفاظت کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ میرا دل اپنے اس دردناک انجام پر آٹھ آٹھ آنسو روتا ہے کہ آج میری وقعت اتنی بھی باقی نہیں رہی کہ میں اپنے ان مہربانوں کی کتابوں کی الماریوں کی زینت بن سکوں۔ کم از کم وہ مجھے اس بے دردی سے تو نہ پھاڑتے۔ اور منظر عام پر باوجود ساتھیوں کے منع کرنے کے وہ اس طرح مجھے پھاڑ کر تو میری تحقیر و تذلیل نہ کیا کریں۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ایک طالبعلم دوسرے طالبعلم کو اپنی کتب پر چڑھانے کے لئے کاغذ کی خرید سے روک رہا تھا کہ اور کہہ رہا تھا کہ المنار کا تازہ شمارہ اس مقصد کی بھینٹ چڑھایا جا سکتا ہے۔

میرے کچھ مہربان ایسے بھی ہیں جو میرے کئی ماہ کے ایڈیشنوں کو اکٹھا کر کے کسی کباڑیا نہ مخزن پر مجھے ردی کے بھاؤ بیچ دیتے ہیں اور اس طرح کبھی میرے کسی صفحہ میں ہلدی کی پوٹلی بندھی ہوتی ہے اور کبھی کوئی بچہ میرے کسی ورق پہ سے کھٹی میٹھی الّی چاٹ رہا ہوتا ہے۔ شاید مجھے بیچ کر کھا جانے والے اسی طرح سے کالج میگزین فیس کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہائے میری رسوائی! کبھی وہ زمانہ تھا کہ میرے بعض مہربان میرے بعض ایڈیشنوں کو مجلد کروا کے محفوظ کر لیتے اور مجھے اپنی کتب میں جگہ دیتے۔

مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ میرے حقیقی مہربان آج بھی میری عزت کرتے اور مجھے سر آنکھوں پہ بٹھاتے ہیں۔ اور دوسروں کو میری توہین سے روکتے رہتے ہیں مگر کیا کروں دل کو چین نہیں آتا کہ کالج کے ان فرزندوں کا کیا بنے گا جو علم و ادب کی عزت کرنے کے قائل نظر نہیں آتے۔

آخر میں کالج کے ہر طالب علم سے اس ناچیز کی اپیل ہے وہ انگریزی و اردو کے میرے ہر دو سیکشنوں کے لئے کچھ نہ کچھ لکھے اور ضرور لکھے اور اپنے اس مجلّہ کا معیار اونچا کرے اس قدر اونچا۔ کہ ہر ایک مجھ پر اور میرے لکھنے والوں پہ سجا

(باقی صفحہ ۳۷ پر)

شہزاد اسلم صابر

بہار کی تلاش

خزاں آلود اداس فضائیں رشید کو ہمیشہ اداس کر دیا کرتی تھیں شاید اس لئے کہ اس کی زندگی میں بہار سے زیادہ خزاں کا دخل تھا۔ بچپن سے ہی اسے قدرت کی ستم ظریفیوں کا شکار ہونا پڑا اور ہنستا ہنستا کھیلتا رشید زندگی کی حدوں میں داخل ہوتے ہی ایک خاموش اور متفکر شخص بن گیا آج بھی تامس ہارڈی کے ناول "Jude the Obscure" کا مطالعہ کرتے کرتے اس کی اداسی اور زیادہ گمبھیر ہو گئی۔ ہیرو کی بے بسی نے اس کے دل پر بہت اثر کیا تھا۔۔۔ وہ ناول بند کر کے اٹھا اور خزاں آلود پگڈنڈیوں پر گھومتا گھومتا ٹنڈ منڈ درختوں کی طرف نکل گیا کہ شاید اس کی اداسی کچھ کم ہو سکے لیکن خزاں کے گیت اس کے کھولتے ہوئے جذبات کو تسکین نہ دے سکے۔

وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ وہ لوگ کتنے خوش قسمت تھے جو خزاں کی ظلمتوں میں بھی بہار کو تلاش کر لیا کرتے تھے اور خزاں کی آلودگیاں ان کی مسرتوں کو کم نہ کر سکتی تھیں۔ ہو سکتا ہے اس کی زندگی میں کوئی اور انقلاب آئے اور خزاں کی تاریکیاں اور اداسیاں دور ہو جائیں۔ ایڈنا ملے کے الفاظ اس کے ذہن میں گھومنے لگے۔

BUT IF THIS NOT BE HAPPINESS
WHO KNOWS?
SOME DAY I SHALL THINK THIS
HAPPY DAY,
AND THIS MOOD BY THE NAME
OF MALANCHOLY
SHALL NO MORE BLACKEND
AND OBSCURE BE.

ہوا میں تیزی آگئی تو وہ اٹھا اور واپس چل دیا۔ اس کے دل کو کچھ تسکین ملی تھی ——— عریاں درختوں سے گرے ہوئے زرد پتے ہوا کے جھونکوں سے اس کے آگے آگے بھاگ رہے تھے۔ درختوں کی چیخیں اور زیادہ شدید ہو گئی تھیں ——— وہ بھی اپنے بے وفا پتوں کی نوحہ گری میں مصروف تھے جو بہار میں ان کے ساتھ رہے۔ ان کا خون چوس چوس کر زندگی کا لہو حاصل کرتے رہے لیکن جب خزاں آئی تو انہیں چھوڑ کر چل دیئے ——— اس کا ذہن پھر بہار و خزاں کے نہ ختم ہونے والے چکر میں الجھ گیا ——— اسے محسوس ہوا جیسے اس کی زندگی بھی ایک وسیع صحرا کے درمیان ایک درخت کی طرح ہے جو خزاں کی زد میں آچکا ہے اور اس کے پتے اسے چھوڑ کر بہار کی تلاش میں کہیں دور نکل گئے ہیں!